جلد ۳ — جولائی ۱۹۶۱ء — شمارہ ۷

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلِ عمران)

لائبریری

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ: پانچ روپے — قیمت فی پرچہ: آٹھ آنے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران)

مجلسِ انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

جولائی سنہ ۱۹۶۱ء

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- پانچ روپے ۵؎ فی پرچہ:- پچاس پیسے

فہرستِ مضامین

طابع وناشر:۔ محمد ابراہیم ٭ مطبوعہ:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقامِ اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دار الصدر جنوبی۔ ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شمارہ ۷	ماہنامہ انصار اللہ ربوہ	جلد ۲

(۱۵ر جولائی ۱۹۶۱ء)

نصرتِ الٰہی کے دو اہم ذرائع!

الٰہی جماعتوں کا تمام تر دارومدار اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن جماعتوں کو اپنے ماموروں کے ذریعہ خود اپنے ہاتھ سے قائم فرماتا ہے اور پھر خود ہی ان کی تائید و نصرت اور حفاظت کا سامان کر کے اُنہیں غیر معمولی کامیابی سے نوازتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جماعتیں انتہائی کمزوری اور بےبضاعتی کے باوجود مخالفتوں اور نامساعد حالات کے شدید طوفانوں میں سے بھی خیر و خوبی کے ساتھ گزر جاتی ہیں اور ان کے قدم برابر منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے وجود کی علّتِ غائی پوری ہو کر انہیں صحیح معنوں میں فائز المرام کر دیتی ہے۔ اُن کی یہ غیر معمولی اور محیّر العقول کامیابی سراسر الٰہی تائید و نصرت کی مرہون ہوتی ہے اُن کی ذاتی کوششوں اور تدابیر کا ثمرہ نہیں ہوتی۔ کوشش وہ ضرور کرتی ہیں لیکن محض حصولِ ثواب کی خاطر اور تائید و نصرتِ الٰہی کو جذب کرنے کی نیّت سے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِس امر کا بار بار ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے ماموروں اور اُن پر ایمان لانے والوں کی قدم قدم پر تائید فرماتا ہے اور اسی تائید و نصرت کے بل پر وہ دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں اور سراسر مخالف حالات میں اُن کا کامیابی سے ہمکنار ہونا اُن کے منجانب اللہ اور برحق ہونے کی دلیل ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ	یعنی یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور جو لوگ اُن پر ایمان لاتے ہیں انکی اِس ورلی زندگی میں بھی مدد کرتے

يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ہیں اور اُس دن بھی مدد کریں گے جب کہ گواہ کھڑے ہوں گے۔

(المومن آیت ۵۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرماتا ہے :۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی مومنوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔

(الروم آیت ۴۸)

اصولی رنگ میں یہ واضح کرنے کے علاوہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اُن پر ایمان لانے والوں کو اُس کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے اور اِس غیر معمولی تائید و نصرت کی وجہ سے ہی وہ مخالف حالات میں بالآخر کامیاب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ اے ہمارے رسول اسی طرح ہم تیری بھی مدد کریں گے اور پھر وہ مدد ہو گی بھی بہت غیر معمولی جیسا کہ فرمایا :۔

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ اللہ تیری شاندار مدد کرے گا یعنی ایسی مدد جو اپنے ساتھ غلبہ لائے گی۔

(الفتح آیت ۳)

اِس وعدے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت شروع ہوئی اور کفارِ مکہ نے آپؐ پر اور آپ پر ایمان لانے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور بظاہر ہر طرف مایوسی ہی مایوسی نظر آنے لگی، تو اللہ تعالیٰ نے کفار کی اِس ایذا دہی پر آپؐ کو پھر تسلی دی اور فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی خدا کے رسولوں کو اِسی طرح ایذا دی گئی لیکن ہم نے اپنے وعدہ کے مطابق اُن کی مدد کی اور بالآخر وہی کامیاب ہوئے۔ چنانچہ فرمایا :۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا

اور تجھ سے پہلے بھی رسولوں کو یقیناً جھٹلایا جا چکا ہے پھر باوجود اس کے کہ اُنہیں جھٹلایا گیا اور اُنہیں تکلیف دی گئی وہ صبر کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آن پہنچی۔

(الانعام آیت ۳۵)

اس کے بعد جب حسب وعدہ الٰہی اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے زور کو توڑ کر آپ کو کھلی کھلی کامیابی عطا فرمائی اور آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو اُن پر ہر طرح سے غالب کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے صحابہؓ کو یہ وعدہ یاد دلایا اور فرمایا کہ تم اپنی پہلی کمزوری کی حالت کو دیکھو اور موجودہ غلبہ والی حالت کا اس سے موازنہ کرو اور پھر غور کرو کہ ہم نے کس طرح اپنا وعدہ پورا کیا۔ ہماری مدد نازل ہوئی اور اِس کے نتیجے میں صورتِ حال یکسر بدل گئی، تم جو پہلے مغلوب تھے غالب ہو گئے اور تمہارے مخالفین جو پہلے غالب نظر آتے تھے اب یکسر مغلوب ہو چکے ہیں۔ چنانچہ فرمایا :۔

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (الانفال آیت ۲۷)

اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے تھے اور زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اُچک کر نہ لے جائیں پھر باوجود اِس کے اُس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی اور پاک چیزوں سے تمہیں رزق بخشا تاکہ تم شکر کرو۔

اِن آیات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماموروں اور مرسلوں کی اور اُن کے ذریعہ قائم ہونے والی جماعتوں کی غیر معمولی طور پر تائید فرماتا ہے اور یہ آسمانی تائید و نصرت ہی اُن کو دنیا میں کامیاب اور غالب کرنے کا موجب ہوا کرتی ہے۔ مخالفتوں کے طوفان اُٹھتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ طوفان اس چھوٹی سی جماعت یعنی حزب اللہ کو بہالے جائیں گے لیکن ہوتا کیا ہے؟ یہی کہ وہ مہیب طوفان جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں اور اُس الٰہی جماعت کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا، اِسی طرح مشکلات اور مصائب کے پہاڑ سدِّ راہ بن کر سامنے آجاتے ہیں اور معلوم یہ ہونے لگتا ہے کہ اب ہر طرف سے راہ بند ہے اور آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہیں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور راہ خود بخود صاف ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح بڑے بڑے خوفناک زلزلے آتے ہیں اور محسوس یہ ہوتا ہے کہ اِن زلازل کا مرکز عین اِس جماعت کے قدموں تلے ہی ہے لیکن زلزالِ شدید کے باوجود زمین پہلے ہی کی طرح پھر ساکن ہو جاتی ہے اور دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ اس جماعت کو تو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ یہ سب اُس تائید و نصرت اور حفاظتِ خاص کا کرشمہ ہوتا ہے جو حسبِ وعدہ الٰہی ہر آن اور ہر لحظہ اُس جماعت کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ پس الٰہی جماعتوں کا سب بھروسہ اور توکل اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اور اُس کی ہر آن بارش کی طرح برسنے والی تائیدات پر ہوتا ہے اپنی کسی کوشش یا جدّ و جہد پر نہیں۔

اِن حالات میں یہ ضروری ہے بلکہ دیکھا جائے تو اِس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ ذرائع معلوم کئے جائیں کہ جن کی مدد سے حتمی اور یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہو سکے اور پھر اِس کا سلسلہ ہمیشہ ہمیش جاری رہے۔ چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِس وعدے کا بار بار ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور اُن پر ایمان لانے اور استقامت دکھانے والوں کی ضرور مدد کرتا ہے وہاں اُس نے قرآنِ مجید میں ایسے ذرائع پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ جن کی مدد سے الٰہی جماعتوں کی آئندہ نسلیں بھی اپنے وجود کو انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی نصرت کا جاذب بنا سکتی ہیں۔ یہ ذرائع بنیادی اہمیت کے حامل ہیں انہیں اختیار کئے بغیر

اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کسی کو اُس کی تائید و نصرت ہی حاصل نہ ہو تو پھر کامیابی کی اُمید رکھنا سراسر بے سُود اور بے فائدہ ہے۔ ان متعدد ذرائع میں سے دو اہم ذریعوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی حسب ذیل آیت میں کیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے :-

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (البقرۃ آیت ۴۶)

اور صبر اور دعا کے ذریعہ سے اللہ سے مدد مانگو اور بے شک فروتنی اختیار کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لئے یہ امر مشکل ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ صبر اور صلوٰۃ وہ اہم ذرائع ہیں جن پر کاربند ہو کر انسان نصرتِ الٰہی کا مورد بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر اور صلوٰۃ پر کاربند ہونے کی بار بار تاکید فرمائی ہے اور نئے نئے اسلوب سے اِن کی بنیادی اہمیت کو ذہن نشین کرایا ہے۔ مثلاً صبر کے تعلق میں کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ اِس طرح صبر کرو جیسا کہ والا ہمت رسولوں نے صبر کیا (الاحقاف آیت ۳۶) کہیں تاکید کی گئی ہے کہ صرف خود ہی صبر سے کام نہ لو بلکہ آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہو (آل عمران آیت ۲۰۱) کہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس کی حکمت بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ صبر کرنے میں بندوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ ایسا کرنے میں وہ کسی اَور کو فائدہ نہیں پہنچا رہے ہوں گے اگر وہ صبر کریں گے تو اِس کا پھل وہ خود کھائیں گے (النحل آیت ۱۲۷، النساء ۲۶) وہ فائدہ اور پھل کیا ہے ؟ اِس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مَیں خود اُن سے محبت کرنے لگوں گا اور اُنہیں میری معیت حاصل ہو جائے گی (آل عمران آیت ۱۴۷، البقرہ آیت ۱۵۴) پھر بشارت دیتا ہے کہ صبر کا اعلیٰ نمونہ دکھانے والوں کو نہ صرف یہ کہ پورا پورا اجر ملے گا بلکہ وہ بلا حساب اجر کے مستحق قرار پائیں گے۔ (الزمر آیت ۱۱) صبر کے اتنے فائدوں، نیز اس کے نتیجے میں ملنے والی عظیم الشان بشارتوں اور محیّر العقول کامیابیوں کے ذکر کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے صبر کا نمونہ دکھانے والوں کو خاص طور پر اس امر کی ضمانت دی ہے کہ انہیں خارق عادت طور پر نصرتِ الٰہی میسّر آئے گی اور اِس طور پر اور اِس رنگ میں میسّر آئے گی کہ جو دوسروں کے لئے ایک نشان کا کام دے گی جیسا کہ اُس نے جنگِ اُحد کے معاً بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو صبر کا نمونہ دکھانے کی صورت میں نصرتِ خاص کی بشارت دی اور فرمایا :-

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ

یعنی اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ (کافر) تم پر اسی دم چڑھ آئیں تو تمہارا رب پانچ ہزار سخت حملہ کرنے والے فرشتوں کے ذریعے

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝　　　　تمہاری مدد کرے گا۔

(آل عمران آیت ۱۲۶)

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ۔　　　　یعنی جان رکھو کہ خدا کی نصرت صبر کا نمونہ دکھانے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

پھر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ قائم کرنے اور اس پر پورے تعہد اور عزم و ہمت کے ساتھ کاربند رہنے کی کچھ کم تاکید نہیں فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ قائم کرنے کی بار بار تلقین پر ہی اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ اس کے متعلق تفصیلی ہدایات بھی دی ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں ملنے والی عظیم الشان بشارات نیز کامیابیوں اور اجر و ثواب اور اس سے غفلت برتنے والوں کے انجام پر روشنی ڈال کر اس کی بنیادی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ پھر اس تعلق میں خاص طور پر اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ اس کے نتیجے میں اس قادر و توانا اور حی و قیوم ہستی کی نصرت حاصل ہوتی ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی مددگار نہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ　　　　پس نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ　　　　اور اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝　　　　وہ تمہارا آقا ہے پس کیا ہی اچھا آقا ہے اور

(الحج آیت ۷۹)　　　　کیا ہی اچھا مددگار۔

الغرض قرآن مجید کی واضح اور غیر مبہم تعلیم کی رُو سے صبر اور صلوٰۃ دو ایسے اہم ذریعے ہیں جن کو لازم پکڑنے سے کسی بھی مسلمان کو انفرادی طور پر یا کسی جماعت یا گروہ یا قوم کو اجتماعی طور پر خدا تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت میسر آ سکتی ہے۔

صبر اور صلوٰۃ کو نصرتِ الٰہی کے تعلق میں جو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ان کے حقیقی معانی اور مفہوم پر غور کیا جائے اور ان کے جملہ تقاضوں سے پوری پوری آگاہی حاصل کی جائے۔ بظاہر صبر سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ مشکلات اور مصائب کو حرفِ شکایت زبان پر لائے بغیر برداشت کرنا۔ اور صلوٰۃ کا لفظ اس طریقِ عبادت پر محمول ہوتا ہے جسے عرفِ عام میں نماز کہتے ہیں۔ ہر چند کہ صبر اور صلوٰۃ کے یہ معنی اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ ان سے یہی کچھ مراد نہیں۔ لغوی اور اصطلاحی معنوں کی رُو سے یہ دونوں الفاظ بہت وسیع معانی اور مطالب کے حامل ہیں اور نصرتِ الٰہی کا مورد بننے کے لئے

اُن سب معانی و مطالب کو ملحوظ رکھنا اور اُن کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک صبر کے معانی اور مفہوم کا تعلق ہے یہ جاننا چاہیئے کہ صبر کے معنی صرف مصیبت پر شکوہ نہ کرنا اور اسے خاموشی سے برداشت کرنا ہی نہیں ہوتے بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ انسان کوئی مشکل یا مصیبت وارد ہونے پر نہ صرف یہ کہ حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے بلکہ استقلال اور جرأت و دلیری کے ساتھ اُس مشکل پر قابو پانے کی کوشش کرے اور خدا تعالےٰ پر توکّل کرتے ہوئے نتیجے کو خدا تعالےٰ کی مشیّت، ارادہ اور مرضی پر چھوڑ دے۔ چنانچہ کلّیات ابی البقاء میں لکھا ہے کہ و صبر الرّجل علی الامر نقیض جزع ای جرؤ و شجع و تجلّد یعنی صبر شکوہ کرنے اور گھبرانے کے مقابل کا لفظ ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دلیری دکھائی اور جرأت و ہمّت سے کام لیا۔ پھر صبر کے معنی یہ بھی نہیں کہ شکوہ سرے سے زبان پر لایا ہی نہ جائے بلکہ یہ ہیں کہ بجز خدا کے کسی اور کے سامنے انسان اپنی مصیبت کو بیان نہ کرے اور نہ شکوہ کا کوئی لفظ زبان پر لائے۔ چنانچہ ماہرینِ لغت نے صبر کی تعریف میں لکھا ہے ترك الشّکوىٰ من الم البلوىٰ لغیر اللہ لا الی اللہ۔ اسی طرح لکھا ہے فاذا دعا اللہ العبد فی کشف الضّرّ لا یقدح فی صبرہ یعنی اگر بندہ اپنی رفعِ مصیبت کے لئے خدا کے پاس فریاد کرے تو اُس کے صبر پر اعتراض نہ کیا جائے۔ اہلِ لغت نے یہ معنے اپنے پاس سے نہیں کئے بلکہ قرآن مجید سے ہی اخذ کئے ہیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (یوسف آیت ۸۷) یعنی مَیں اپنی پریشانی اور اندوہِ قلبی کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام (جن کا صبر ضرب المثل کا درجہ رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بھی جنہیں اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا اور نِعْمَ الْعَبْدُ (ص آیت ۴۵) کہہ کر اُن کے صبر کی تعریف کی ہے) صبر کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھانے کے باوجود اپنی تکلیف اور اپنی حالت کو اللہ تعالیٰ کے حضور بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (انبیاء آیت ۸۴) یعنی اے میرے رب مجھے نقصان اور ضرر پہنچا ہے (مَیں اس کی شکایت تیرے حضور ہی کرتا ہوں کیونکہ) تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ پس جہاں انسانوں کے سامنے اپنے مصائب بیان کرنا اور اُس پر رونا پیٹنا صبر کے منافی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی تکلیف بیان کر کے اُس سے نجات کا خواستگار ہونا صبر کے مفہوم میں داخل ہے اور صبر کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے ——— پھر صبر کا لفظ مصیبت کے وقت توتِ برداشت سے کام لینے اور دلیری و جرأت کا مظاہرہ کرنے پر ہی نہیں بولا جاتا بلکہ یہ عُسر و یُسر میں مکروہ اور ناپسندیدہ اعمال سے اپنے نفس کو روکنے اور نیک اعمال بجالانے میں ثابت قدمی دکھانے اور مداومت اختیار کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اسی لئے عربی زبان میں محاورہ ہے صبرتُ علی ما اکرہُ و صبرتُ عمّا اُحِبُّ جس کے معنی ہیں مَیں نے اپنے آپ کو ان باتوں سے روکا جنہیں مَیں

پسند نہیں کرتا اور اُن باتوں میں ثابت قدمی دکھائی جنہیں میں پسند کرتا ہوں ——— پس ان تمام معانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے صبر کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش آنے والی تکالیف اور مصائب کو بطیبِ خاطر برداشت کرے اور کمال درجہ ہمت اور استقلال سے کام لیکر دین کی راہ میں قربانیوں کا اعلیٰ نمونہ دکھائے۔ اور صبر کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ انسان بدیوں سے رُکے اور نیکیوں میں ثابت قدم رہے یعنی بد اثرات کو قبول نہ کرے اور نیک اثرات کو قبول کرنے کی عادت ڈالے۔

بعینہٖ صبر کی طرح صلوٰۃ کا لفظ بھی بہت وسیع معانی پر محمول ہے۔ لغت کی رُو سے صلوٰۃ ٹیڑھی لکڑی کو آگ پر سینک دے کر سیدھا کرنے کو کہتے ہیں۔ نماز کے لئے یہ لفظ اسی لئے بولا جاتا ہے کہ نماز انسان کو برائیوں سے روکتی ہے اور اس میں نیکی کی صلاحیت پیدا کر کے اُس کے نفس کا تزکیہ کرتی ہے اور وہ قربِ الٰہی اور تعلق باللہ کی راہ پر گامزن ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ پس صلوٰۃ سے ایک تو مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے آستانے پر جھکے اور حقوق اللہ کی بجا آوری میں اس درجہ مستعد ہو کہ وہ صحیح معنوں میں اُس کا عبد بن جائے۔ دوسرے صلوٰۃ کے اندر زندگی کے عام معمولات میں بھی بدیوں سے اس درجہ بچنا اور نیکیوں میں اس درجہ ترقی کرنا شامل ہے کہ انسان کا نفس ہر قسم کی آلائشوں اور بد تحریکات سے اسی طرح پاک اور صاف اور کھرا اور سیدھا ہو جائے جس طرح ٹیڑھی لکڑی آگ پر سینک دینے سے بالکل سیدھی ہو جاتی ہے یعنی اُس کی ہر حرکت و سکون اللہ ہی کے لئے ہو اور اُس کی زندگی اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی مصداق بن جائے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو صبر اور صلوٰۃ دونوں بہت حد تک ہم معنی الفاظ ہیں۔ دونوں میں خدا تعالیٰ کے رستہ میں پیش آنے والی مصیبتوں کو استقلال اور ہمت کے ساتھ برداشت کرنے اور خدا تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو کر اُس سے استعانت چاہنے کا مفہوم شامل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صبر کا لفظ پیش آنے والی بیرونی مشکلات کے بد اثرات قبول نہ کرنے کی سعی و جہد پر بولا جاتا ہے جبکہ صلوٰۃ کا لفظ تزکیۂ نفس اور کامل عبد بننے کے خاطر اپنے اُوپر خود مشقت وارد کرنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کما حقہٗ ادائیگی کے ذریعے اپنے وجود کو جاذبِ نصرتِ الٰہی بنانے پر دلالت کرتا ہے ——— اوّل الذکر میں بیرونی مصائب کے خلاف کامیاب دفاع کا مفہوم پایا جاتا ہے اور موخر الذکر میں خود اپنے نفس پر مشقت وارد کر کے باطنی قوت حاصل کرنے کے معانی پوشیدہ ہیں۔ دونوں میں خدا تعالیٰ سے استعانت چاہنے اور اسی سے مدد مانگنے کا مفہوم مشترک ہے۔ اس میں کیا شک ہے جس قوم میں یہ اوصاف

موجود ہوں کہ وہ بیرونی بداثرات قبول نہ کرے مشکلات سے نہ گھبرائے اور اُن پر قابو پانے کی جدوجہد کرتی رہے نیز باطنی طور پر مضبوط اور طاقتور بننے کے لئے ہر آن کوشش میں مصروف رہنا اُس کا شعار ہو اور پھر وہ خدا تعالیٰ کی نصرت طلب کرے تو خدا تعالیٰ ضرور اُس کی مدد کرتا ہے ایسے لوگوں کے لئے اُس کی مدد آتی ہے اور دوڑ کر آتی ہے۔ ایسی صورت میں کثرت اور قلت کا سوال اُٹھ جاتا ہے۔ ایسے تائید یافتہ لوگ قلیل، کمزور اور بے بضاعت ہونے کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ منزلِ مقصود خود ان کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ فوز و فلاح قدم قدم پر اُن کا استقبال کرتی ہے اور بالآخر وہ فائز المرام ہو جاتے ہیں۔

پس صبر اور صلوٰۃ وہ اہم ذرائع ہیں جنہیں اختیار کر کے اور جن کے ہمہ گیر تقاضوں کو پورا کر کے انفرادی طور پر ایک شخص اپنے آپ کو اور اجتماعی لحاظ سے ایک قوم اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کا مورد بنا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے مامور جب دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں تو وہ اپنے ماننے والوں کی قلیل سی جماعت کو صبر اور صلوٰۃ کے انہی اوصاف سے متصف کر کے اُنہیں ترقی اور کامیابی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں اور اِن اوصاف کی بناء پر ہی اللہ تعالیٰ اُن کی اِس رنگ میں مدد فرماتا ہے کہ جو دوسروں کے لئے ایک نشان کا درجہ رکھتی ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم نہ صرف خود صبر اور صلوٰۃ کے ہمہ گیر اوصاف سے متصف ہوں بلکہ نسلاً بعد نسلٍ اپنی اولادوں کو بھی اِن اوصاف سے متصف کرتے چلے جائیں تا خدا تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت ہم کو حاصل رہے اور ہم مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے پوری استقامت اور ہمت و جرأت کے ساتھ اُسی کی دی ہوئی توفیق کے نتیجے میں اسلام کی سربلندی اور اس کے کامل غلبہ کے لئے آگے ہی آگے قدم بڑھاتے چلے جائیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر آمین ؎

علومِ جدیدہ حاصل کرو

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"دین کی خدمت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی غرض سے علومِ جدیدہ حاصل کرو اور بڑی جدوجہد سے حاصل کرو۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۷۵)

کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

خاتمہ بالخیر حاصل کرنے کا تیسرا پہلو "صحبت و معیّتِ صادقین"

اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کیلئے مجاہدہ، دُعا اور صحبتِ صادقین ضروری ہے

محض بدیوں کا ترک کرنا کافی نہیں اگر خاتمہ بالخیر چاہتے ہو تو نیکیوں میں ترقی کرنیکی پوری کوشش کرو

امام الزمان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء کے موقع پر ۲۹ دسمبر کو بعد نماز ظہر مسجد اقصیٰ قادیان میں جو بصیرت افروز تقریر ارشاد فرمائی تھی اُس میں حقیقی پاکیزگی اور خاتمہ بالخیر حاصل کرنے کے ذرائع پر نہایت مسحور کن انداز میں روشنی ڈالی تھی اور فرمایا تھا کہ شیطان اور نفسِ امّارہ کے حملوں سے محفوظ رہنے اور نیکیوں میں ترقی کرنے کے لئے تین ذرائع کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ اوّل ذاتی مجاہدہ و کوشش، دوم دعا، اور سوم صحبت و معیّتِ صادقین۔ اِس بصیرت افروز تقریر کے ابتدائی حصّے جو ذاتی مجاہدہ و کوشش اور دعا کی اہمیت اور ان کے عظیم الشان نتائج و اثرات پر مشتمل تھے علی الترتیب اپریل اور جون ۱۹۶۶ء کے شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ذیل میں تقریر کا اگلا حصّہ جس میں حضور نے صحبت و معیّتِ صادقین کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور ترکِ معاصی کے بعد نیکیوں میں ترقی کرنے پر خاص زور دیا ہے، ہدیۂ احباب کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

تیسرا پہلو حصولِ خاتمہ بالخیر کا جو قرآن مجید سے ثابت ہے صحبت و معیّتِ صادقین ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ پ ۱۱۔ یعنی اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ جب حاصل ہو سکتا ہے کہ صادقین کے ساتھ معیّت اختیار کرو یعنی اکیلے نہ رہو کہ اس حالت میں شیطان کا داؤ انسان پر ہو جاتا ہے بلکہ صادقوں کی معیّت اختیار کرو کہ اُن کی صحبت میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ اُن کی صحبت اور معیّت کے سبب اُن کے انوار اور برکات کا پرتوہ تم پر پڑتا رہے گا اور خانۂ قلب کی ہر ایک خس و خاشاک کو محبتِ الٰہی کی آگ سے جلا کر نورِ الٰہی سے بھر دیگا اور اُن کا نورِ صدق و ایمان تمہاری کمزوریوں کو دُور کرنے میں مدد دیگا۔ غرضکہ یہ تین ذریعہ ہیں جو انسان شیطان اور نفسِ امّارہ کے حملوں سے محفوظ رہ کر تقویٰ اور نیکی

میں ترقی کر سکتا ہے۔ جب تک اِن ذریعوں سے انسان فائدہ نہیں اٹھاتا اُس وقت تک اندیشہ رہتا ہے کہ شیطان اُس پر حملہ کر کے اُس کے متاعِ ایمان کو چھین نہ لے جائے۔ اِسی لئے بہت بڑی ضرورت اِس امر کی ہے کہ مضبوطی کے ساتھ اپنا قدم رکھو اور ہر طرح سے شیطانی حملوں سے احتیاط کرو جو شخص اِن تینوں ہتھیاروں سے اپنے آپ کو مسلح نہیں کرتا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی شیطانی اور نفسانی حملہ سے نقصان اٹھا دیگا۔

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کتابوں میں بعض بدیوں کو پڑھ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم میں یہ نہیں۔ اور نیکی اور تقویٰ کا کمال اِسی میں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم مشہور بدیوں چوری، زنا، خونِ ناحق، غیبت، بددیانتی، ڈاکہ، بدنظری وغیرہ موٹی موٹی بدیوں سے بچتے ہیں۔ بس اب ہم نے نیکی اور تقویٰ کے تمام مدارج حاصل کر لئے ہیں اور ہم بھی کچھ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ کچھ بھی چیز نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو چوری نہیں کرتے، بہت سے ایسے ہیں جو زنا نہیں کرتے، بہت سے ایسے ہیں جو ڈاکہ نہیں مارتے، خون نہیں کرتے یا بدنظری یا بدکاری کی بدعادتوں میں مبتلا نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ ہم اُسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے بعض بدیوں کو ترک کیا ہے خواہ وہ عدمِ قدرت کی وجہ سے ہی ہو۔ بلکہ جو چوری اور زنا نہیں کرتا تو آخر اِن کے بُرے انجام اور عذاب سے بھی تو محفوظ رہتا ہے اس کا کسی پر احسان نہیں ہے اگر کرتا تو خود دُکھ اٹھاتا بدمعاشوں میں لکھا جاتا کنجر کہلاتا کیونکہ زناکاری کنجروں کا کام ہے۔ اگر اُس نے اِن کاموں کو نہیں کیا تو صرف اتنی بات ہوئی کہ بدمعاشوں کے رجسٹر سے اُس کا نام کٹ گیا لیکن نیکوں کے طبقہ اور رجسٹر میں داخل بھی نہیں ہوا۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ہر جگہ عملِ صالحہ کی شرط لگا دی ہے کہ اگر وہ بدی سے بچتا ہے تو عملِ صالحہ کر کے نیکیوں میں ترقی کرے۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ حقیقی نیکی کے اختیار کرنے میں لوگ بہت سُست ہیں اور اکثر لوگ اِس بات پر فخر کرتے ہیں اور صرف اِسی کو ہی تقویٰ اور نیکی تصور کرتے ہیں کہ وہ فلاں بدی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ حالانکہ بدی کے ترک کا نام نیکی نہیں ہے نیک اور صالح اُس وقت کہلائے گا جبکہ وہ نیکی اور صلاحیت کے کام کرے گا۔ پس جب تک کسی کے پاس حقیقی نیکی کا ذخیرہ نہیں ہے تب تک وہ نہ مومن ہے نہ صالح۔ غرض قرآن مجید صرف اتنا ہی نہیں چاہتا کہ انسان ترکِ شر کر کے سمجھ لے کہ بس میں صاحبِ کمال ہو گیا بلکہ وہ تو انسان کو اعلیٰ درجہ کے کمالات اور اخلاقِ فاضلہ سے متصف کرنا چاہتا ہے اور اُس سے ایسے اعمالِ صالحہ چاہتا ہے جو بنی نوع کی بھلائی اور ہمدردی پر مبنی ہوں اور ان کا نتیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہو جاوے۔ مَیں اِس بات کو بار بار کہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی اپنی ترقی اور کمالِ روحانی کی یہی انتہا نہ سمجھ لے کہ مَیں نے ترکِ بدی کی کر لی ہے۔ صرف ترکِ بدی نیکیٔ کامل کے مفہوم اور منشاء کو اپنے اندر ہرگز ہرگز نہیں رکھتی۔ یاد رکھو ایسا تصور کرنا کہ مَیں نے خون نہیں کیا خوبی کی بات نہیں کیونکہ خون کرنا ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ ایسی بدیوں سے پرہیز زیادہ سے زیادہ

آدمی کو بدمعاشوں کے طبقہ سے خارج کر دیتا ہے یا عدالت کی سزاؤں سے بچا لیتا ہے اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں مگر وہ جماعت جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے صرف ترکِ بدی سے ہی نہیں بنی تھی بلکہ انہوں نے اپنے مال، جان، عزت، آرام، آسائش کو اللہ جلشانہ کی راہ اور تحصیلِ رضاءِ الٰہی اور خلق اللہ کی بہبودی کی مدمیں وقف کر دیا تھا تب وہ جا کر ان مدارجِ عالیہ پہ پہنچے کہ ان کو پروانہ خوشنودی مزاج رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا دیا گیا اور اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم کا سارٹیفکٹ ان کو دربارِ الٰہی سے عطا ہوا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ کسبِ خیر تو ایک عظیم الشان کام ہے اور وہی اصل مقصد ہے وہ تو ترکِ بدی میں بھی سست نظر آتے ہیں۔ پھر ان کاموں کا تو ذکر ہی کیا ہے جو صلحاء کے کام ہیں۔ بس تم کو چاہیئے کہ تم ایک ہی بات اپنے لئے کافی نہ سمجھ لو۔ ہاں اوّل بدیوں سے پرہیز کرو اور پھر ان کی بجائے نیکیوں کے حاصل کرنے اور اس میں ترقی اور استقلال کرنے کی پوری پوری کوشش کرو۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضل مانگو جیسے فرمایا اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ یعنی ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں یعنی موجودہ قویٰ اور توفیق اور استطاعت جو تو نے ہم کو عطا فرمائی ہے اُن سے کام لے کر تیرے دربار میں ہم حاضر ہوئے ان پر اس سے ترقی کرنے کے لئے تو ہی مدد فرما اور توفیق و استطاعت عطا فرما۔ جب تک انسان ان دونوں صفات سے متصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اس وقت تک مومن صالح نہیں کہلاتا۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے سورہ فاتحہ میں اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ کی دُعا تعلیم فرمائی کہ انسان صرف بدیوں کا چھوڑنا ہی نیکی نہ جان لے بلکہ کامل مومن بننے کے لئے کوشش کرے یہاں تک کہ وہ انعامات اس کو بھی مل جاویں جو نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، صالحین کو ملے یعنی مکالمات مخاطبات الٰہیہ کے مورد بن جاویں جب تک انعامات حاصل نہ کرے گا تب تک نیک اور صالح نہیں کہلائے گا۔ دیکھو اللہ جلشانہٗ نے یہ دُعا نہیں سکھلائی کہ تو مجھے فاسقوں فاجروں میں داخل نہ کر بلکہ یہ سکھلایا کہ انعام والوں میں داخل کر۔ اس کے آگے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کی دُعا سکھلائی یعنی اے اللہ اُن لوگوں کی راہ نہ دکھلا جن پر غضب ہوا اور نہ راہ گمراہوں کی۔ ان آیاتِ شریفہ سے ظاہر ہے کہ تکمیلِ نفس مومن اُس وقت ہوتی ہے جب وہ دو شربت پی لیتا ہے۔ اوّل شربت کافوری جس کے پینے سے جذباتِ نفسِ امّارہ دب جاتے ہیں اور نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور بدیوں کے لئے کسی قسم کی حرارت اُس میں نہیں رہتی اور بدیوں کی زہریلی خواہش ہی سرد ہو جاتی ہے جیسے کافور میں یہ ایک خاصہ ہے کہ زہریلے مواد اس سے دب جاتے ہیں۔ اسی طرح جو جو زہر گناہ اور بدی کا اس کے اندر ہوتا ہے وہ اس شربت کے پینے سے جذب ہو کر دب جاتا ہے اور وہ مواد ردّیہ جن کے جوش سے رُوحِ انسان ہلاک ہو جاتی ہے وہ اُٹھ نہیں سکتے بلکہ اُن کی زہر کا اثر بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔

اور دوسرا شربت زنجبیل ہے اُس کے پینے سے انسان کو نیکی کرنے کی اس قدر طاقت قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ اللہ جلشانہ کی راہ میں مشکل سے مشکل پہاڑ پر بھی چڑھنا اُس کو آسان ہو جاتا ہے۔ اِسی واسطے سورہ فاتحہ میں اِن دونوں شربتوں کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے اِس طرح تعلیم دُعا فرمائی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ گویا یہ شربت زنجبیلی ہے اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ شربت کافوری ہے۔ اگر اِسی قدر مقصود ہوتا کہ جو بعض لوگ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ صرف موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کی محبّت، صدق، وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ پس اِس دُعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعامِ الٰہی پانا ایک الگ شے ہے جب تک انسان اسے حاصل نہیں کرتا اُس وقت تک وہ صالح نہیں کہلا سکتا اور زمرہ منعم علیہم میں داخل نہیں ہوتا۔

اب ایک مشکل اور درپیش ہے کہ انسان موٹی موٹی بدیوں کو تو بآسانی چھوڑ بھی دیتا ہے مگر بعض بدیاں ایسی باریک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اول تو انسان کو اُن کا علم ہی مشکل سے ہو سکتا ہے پھر اگر علم ہو بھی جاوے تو اُن کا چھوڑنا اور بھی مشکل ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ تپ محرقہ اگرچہ سخت تپ ہے مگر اس کا علاج کُھلا کُھلا ہو سکتا ہے مگر تپِ دق جو اندر ہی اندر کھا رہا ہے اُس کا علاج بہت ہی مشکل ہے۔ اِسی طرح پر یہ باریک اور مخفی بدیاں ہوتی ہیں جو انسان کو بڑے بڑے فضائل کے حاصل کرنے سے محروم کر دیتی ہیں۔ یہ اخلاقی بدیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ اور معاملات میں پیش آتی ہیں اور ذرا ذرا سی بات اور اختلاف رائے پر دلوں میں بُغض، کینہ، حسد، ریا، تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کو حقیر سمجھنے لگ جاتا ہے یا اگر چند روز نماز سنوار کر پڑھی اور لوگوں نے اس کی تعریف شروع کی تو ریا اور عُجب، خود پسندی اور نمود پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اصلی غرض جو اخلاص تھی جاتی رہتی ہے۔ اور اگر اللہ جلشانہ نے اُس کو دولت یا علم دیا ہے یا کوئی خاندانی وجاہت یا عزت حاصل ہے تو اس کی وجہ سے اپنے دوسرے بھائی کو (جس کو یہ باتیں میسر نہیں) حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ اور اپنے کسی بھائی سے ضد یا عداوت ہو گئی ہے تو اُس کی عیب جوئی پر حریص ہو جاتا ہے۔ پھر تو رات دن اس کی عیب چینی میں گذرتی ہے یا کسی کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے بھائی کے عیب اُس کے آگے بیان کرتا ہے تا کہ اُس کو نکال کر وہ منصب ضرور حاصل کرے حالانکہ وہ عیب خود اُس میں موجود ہوتے ہیں۔ یہی وہ باریک بدیاں ہیں جن کا ترک کرنا مشکل ہے۔ ایسے ہی تکبّر بھی ہے اور وہ مختلف رنگوں میں ہوتا ہے کسی میں کسی رنگ میں اور کسی میں کسی طرح۔ علماء علم کے رنگ میں اس میں گرفتار ہیں علمی طور پر دوسرے عالم کی نکتہ چینی کر کے اُس کو نقصان پہنچانا، ذلیل کرنا اور لوگوں کی نظر سے اُس کو

کرانا چاہتے ہیں رات دن اُس کے عیبوں کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اس قسم کی باریک بدیوں کا دُور کرنا بہت ہی مشکل ہے مگر شریعت ان باتوں کو جائز نہیں رکھتی۔ ان بدیوں میں صرف عوام ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مبتلا پائے جاتے ہیں جو متعارف اور موٹی موٹی بدیاں نہیں کرتے بلکہ عالم، فاضل اور خواص سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے خلاصی پانا اور مرنا ایک بات ہے جب تک ان بدیوں کی ظلمت سے نجات حاصل نہ کرلے تزکیۂ نفس پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا اور انسان اُن انعامات اور کمالات کا وارث نہیں بن سکتا جو تزکیۂ نفس کے بعد خدا تعالیٰ کے حضور سے ملا کرتے ہیں۔
بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ انہوں نے ان اخلاقی بدیوں سے خلاصی پالی ہے لیکن جب کبھی کوئی موقعہ آجاتا ہے اور کسی آدمی سے مقابلہ ہوجاتا ہے تو اُس وقت اُس کو بڑا جوش آجاتا ہے اپنے تعلّی اور کبر کے خیال کو دبا نہیں سکتا۔ پھر وہ گند اُس سے ظاہر ہوتے ہیں جن کا وہم و گمان بھی اُس پر نہیں ہوتا۔ اُس وقت پتہ لگتا ہے کہ ابھی اُس نے خلاصی نہیں پائی اور ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ اور وہ تزکیۂ نفس جو صلحاء کو حاصل ہوتا ہے جو اصل کمال کی علامت ہے میسر نہیں آیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے اور اللہ جلشانہٗ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اِس فضل کے جذب کرنے کے لئے بھی وہی تین پہلو ہیں جو ابھی ذکر ہوئے یعنی اوّل مجاہدہ اور تدبیر، دوم دُعا، سوم صحبتِ صادقین۔ یہ فضل انبیاء علیہم السلام پر بدرجہ کمال ہوتا ہے کہ اللہ جلشانہٗ اوّل اُن کا تزکیہ اخلاقی کامل طور پر خود کردیتا ہے اُن میں بداخلاقیوں اور رذائل کی آلائش راہ ہی نہیں پاتی۔ اُن کی حالت تو یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ سلطنت پاکر بھی وہ فقیر ہی رہتے ہیں اور کسی قسم کا کبر اُن کے نزدیک بھی نہیں آتا اور باوجود بڑا ہونے کے اپنے آپ کو بڑا نہیں جانتے۔ درحقیقت یہ گند جو نفس کے جذبات کا گند ہے اور جو بداخلاقی، عُجب، کبر و ریا وغیرہ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس پر موت نہیں آتی جب تک اللہ جلشانہٗ کا فضل نہ ہو۔ اور یہ موادِ ردیہ جل نہیں سکتے جب تک معرفتِ الٰہی کی آگ اُن کو نہ جلائے۔ جس میں یہ معرفت کی آگ پیدا ہوجاتی ہے وہ اِن اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہونے لگ جاتا ہے اور بڑا ہوکر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے اور اپنی ہستی کی کچھ حقیقت نہیں پاتا۔ وہ اُس نور اور روشنی کو جو انوارِ معرفت سے اُسے ملتی ہے اپنی کسی قابلیت اور خوبی اور عمل کا نتیجہ نہیں سمجھتا اور نہ اُسے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ بلکہ وہ اُسے اللہ جلشانہٗ کا فضل اور رحمت یقین کرتا ہے؛

مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”مجرم وہ ہے جو اپنی زندگی میں خدا تعالےٰ سے اپنا تعلق کاٹ لیوے۔“

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۶۱)

عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عجم و عرب سے برتر رسولؐ!

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِبَدْرٍ هَاشِمِيٍّ عَرَبِيٍّ ۔ وَدَادُهُ قُرَبٌ نَاهِيكَ عَنْ قُرَبٍ

میری جان ہاشمی عربی چاند پر قربان ہو جس کی محبت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی قرب نہیں ہو سکتا۔

نَجَّا الْوَرٰی مِنْ كُلِّ زُوْرٍ وَّ مَعْصِيَةٍ ۔ وَمِنْ فُسُوْقٍ وَّمِنْ شِرْكٍ وَّمِنْ تَبَبٍ

آپؐ نے مخلوق کو ہر قسم کے جھوٹ اور گناہ اور فسق اور شرک اور ہلاکت سے نجات دی۔

فَنُوِّرَتْ مِلَّةٌ كَانَتْ كَمَعْدُوْمٍ ۔ ضُعْفًا وَّ رُجِمَتْ ذَرَارِي الْجَانِّ بِالشُّهُبِ

سو دینِ ملت جو کمزوری کی وجہ ایک معدوم شے کی طرح تھے روشن کئے گئے اور شیطان کی ذریت کو شہابوں سے تباہ کیا گیا۔

وَزَحْزَحَتْ دُخْنًا غَشٰى عَلٰى مِلَلٍ ۔ وَسَاقَطَتْ لُؤْلُؤًا رَطْبًا عَلٰى حَطَبٍ

چنانچہ ملتِ اسلام نے اُن تمام تاریکیوں کو جو دوسرے مذاہب پر چھائی ہوئی تھیں دور کر دیا اور قوم پر جو سوکھی لکڑیوں کی مانند تھی تازہ موتیوں کی مانند برسی۔

وَنَضَّرَتْ شَجَرَ ذِكْرِ اللّٰهِ فِيْ زَمَنٍ ۔ مَحْلٍ يُّمِيْتُ قُلُوْبَ النَّاسِ مِنْ لَعِبٍ

اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے درختوں کو ایسے خشک سالی کے موسم میں تر و تازہ کر دیا جس نے لوگوں کے دلوں کو لہو و لعب میں مبتلا کر کے مُردہ بنا دیا تھا

فَلَاحَ نُوْرٌ عَلٰى اَرْضٍ مُّكَدَّرَةٍ ۔ حَقًّا وَّمُزِّقَتِ الْاَشْرَارُ بِالْقُضُبِ

پس دلوں کی مُردہ زمین میں خدا تعالیٰ کا نور پوری طرح سے ظاہر ہوا اور شریر لوگ (دلائل و براہین کی) نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔

فَمَا بَقِيَ اَثَرٌ مِّنْ ظُلْمٍ وَّبِدْعَاتٍ ۔ بِنُوْرِ مُهْجَةِ خَيْرِ الْعَجَمِ وَالْعَرَبِ

عرب و عجم سے برتر (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے نورِ قلب کی بدولت ظلم و بدعت کا نشان باقی نہ رہا۔

(سِرّ الخلافۃ)

فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

غریقِ ورطۂ بحرِ محبّت

(بحرِ محبّت کے بھنور میں غرق ہونیوالے کا حال)

غریقِ ورطۂ بحرِ محبّت　　　نہ بر مہرش نظر باشد نہ بر کیں

عشقِ الٰہی کے سمندر میں پڑنے والے بھنور کے اندر جو شخص غرق ہو اُس کی نظر نہ اپنے دلدار کی محبت پر ہوتی ہے نہ غصّہ پر

بگوشِ عاشق از لبہائے دلدار　　　چناں نفرین عزیز آید کہ تحسیں

اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشق کے کانوں میں دلبر کے ہونٹوں سے ملامت بھی ویسی ہی پسندیدہ ہوتی ہے جیسے کہ شاباش۔

چناں رویش خوش افتد از سرِ عشق　　　کہ قرباں مے کند بروے دل و دیں

عشق کی وجہ سے عاشق کو اپنے محبوب کا چہرہ اتنا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس پر اپنا دل اور دین سب کچھ قربان کر ڈالتا ہے

شب و روزش بہ دلبر کار باشد　　　دل و جانش شود آں یارِ شیریں

دن اور رات وہ یار کی ہی طلب میں مشغول رہتا ہے اس کا پیارا دوست ہی اسکی جان ہوتا ہے اور وہی اس کا دل

بسوزد ہر چہ غیرِ یار باشد　　　ہمیں ایں عشق را رسم است و آئیں

یار کے سوا جو کچھ بھی ہو اسے وہ نذر بر آتش کر دیتا ہے عشق کی دُنیا میں یہی رسم اور یہی طریقہ رائج ہے۔

خلق و عالم جملہ در شور و شر اند　　　عشق بازاں در مقامِ دیگر اند

دنیا اور اسمیں بسنے والی جملہ مخلوق شور و غوغا میں مبتلا ہوتی ہے لیکن عاشقوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہ تو اور ہی مقام پر ہوتے ہیں

گر دِلا زیں کوچہ بیروں نگذریم　　　ہم سگانِ کوچہ از ما بہتر اند

اے دل سچ یہ ہے کہ اگر ہم عشقِ الٰہی کے کوچے کو طے نہ کریں تو پھر ہم گلیوں کے آوارہ کتوں سے بھی بدتر ہیں۔

(الحکم ۱۷ ؍ اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء)

نمازِ باجماعت کی اہمیت

"استثنائی حالات کے بغیر جو شخص نمازِ باجماعت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے وہ ایک بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔"

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر کبیر میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مختلف مقامات پر آیت یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کی تشریح کرتے ہوئے نمازِ باجماعت کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ ذیل میں ہم سورہ نمل کی آیت ۴ کے ماتحت جو کچھ حضور نے تحریر فرمایا ہے درج کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ استثنائی حالات کے بغیر جو شخص نمازِ باجماعت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے وہ ایک بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ (ادارہ)

"مذہب کا اہم ترین حصہ جو اس کے لئے دل اور دماغ کی حیثیت رکھتا ہے عبادتِ الٰہی ہی ہے۔ اگر عبادتِ الٰہی کو ترک کر دیا جائے تو مذہب صرف رسم و رواج کا نام بن کر رہ جائے گا اور خدا تعالیٰ سے تعلق کا دعویٰ محض ایک ڈھکوسلہ ہوگا۔ اس لئے مومنوں کی پہلی صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وہ نمازوں کو قائم کرتے ہیں یعنی خود بھی باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی نمازوں کی ادائیگی کی تلقین کرتے رہتے ہیں گویا بحیثیت جماعت وہ نمازوں کی ادائیگی کا ہمیشہ التزام رکھتے ہیں۔ اگر صرف انفرادی نمازوں کا ذکر ہوتا تو یُصَلُّوْنَ کہنا کافی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے یُصَلُّوْنَ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اسی طرح قرآنِ کریم کے اور مقامات میں بھی اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یا اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کے الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں اور اقامۃ ہمیشہ باجماعت نماز میں ہی ہوتی ہے پس مومنوں کی ایک بڑی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں اور نہ صرف خود نمازوں کی پابندی کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی نمازوں کی ادائیگی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے بعض لوگ خود تو نماز کے بڑے پابند ہوتے ہیں مگر اپنے بیوی بچوں کے متعلق کوئی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ اگر ان کے دل میں سچا اخلاص ہو تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی بچے کا یا بیوی کا یا بہن بھائی کا نماز چھوڑنا انسان گوارا کر سکے۔

غرض اقامتِ صلوٰۃ ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے اور اس میں خود نماز پڑھنا، دوسروں کو پڑھوانا اور اخلاص اور جوش کے ساتھ پڑھنا باوضو ہو کر، ٹھہر ٹھہر کر، باجماعت اور پوری شرائط کے ساتھ نماز پڑھنا شامل ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ نماز خدا اور بندے کے درمیان ملاقات کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ گویا اس کے ذریعہ الوہیت کا وہ رنگ جو نبی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے مومنوں پر چڑھ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمازِ باجماعت کا اس قدر احترام فرماتے تھے کہ ایک دفعہ آپؐ کے پاس ایک نابینا آیا اور اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا مکان مسجد سے بہت دُور ہے اور چونکہ مجھے مسجد پہنچنے میں سخت دقت پیش آتی ہے اس لئے اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے گھر میں ہی نماز ادا کر لیا کروں۔ اُس وقت مدینہ میں کچے مکانات ہوتے تھے اور جب بارش کے دنوں میں پانی گلیوں میں بہتا تھا تو چونکہ پانی دیواروں کی بنیادوں کے ساتھ ٹکرا کر گزرتا تھا اور دیواریں پانی سے ٹوٹ جاتی تھیں اس لئے پانی کی زد سے دیواروں کو بچانے کے لئے لوگوں نے گلی میں دیواروں کی بنیادوں کے ساتھ ساتھ چلے ہوئے پتھر جن کو پنجابی میں کھنگر کہتے ہیں رکھے ہوتے تھے۔ گلیوں میں کھنگر رکھنے کا رواج ہمارے ملک میں بھی ہے اور چونکہ ایک نابینا کے لئے سڑک کے بیچ میں چلنا مشکل ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ دیواروں کے ساتھ چلتے ہیں اور دیوار کے ساتھ ہاتھ مارتے جاتے ہیں۔ اگر وہ ایسی دیوار کے ساتھ چلیں جس کے ساتھ کھنگر رکھے ہوئے ہوں تو اُن کے گر کر زخمی ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جب اُس نابینا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ چونکہ دیواروں کے ساتھ پتھر رکھے ہوتے ہیں اور گلی کے بیچ میں چل نہیں سکتا اور اگر دیوار کے ساتھ چل کر مسجد میں آؤں تو گر کر زخمی ہونے کا خطرہ ہے اس لئے مجھے اجازت ہو تو میں گھر پر نماز ادا کر لیا کروں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا! اگر تمہیں مسجد میں آتے ہوئے مشکل پیش آتی ہے تو تم اپنے گھر میں ہی نماز ادا کر لیا کرو۔ یہ سُن کر وہ نابینا گھر کی طرف چل پڑا مگر ابھی وہ تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا اُسے کو واپس بلاؤ۔ وہ جب واپس آیا تو آپؐ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے گھر میں اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے اُس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! اذان کی آواز تو پہنچ جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر اذان کی آواز تمہارے گھر میں پہنچ جاتی ہے تو چاہے تمہیں مسجد میں آتے وقت ٹھوکریں لگیں اور تم زخمی ہو جاؤ مسجد میں ضرور آیا کرو۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ جب عشاء یا صبح کی نماز ہو تو میں اپنی جگہ کسی اور کو کھڑا کر دوں اور کچھ لوگوں کو ساتھ لیکر اُن کے سروں پر لکڑیوں کے گٹھے رکھ کر سارے شہر کا چکر لگاؤں اور جو لوگ گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں اُن کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ اب دیکھو گو آپؐ نے عملاً ایسا کیا تو نہیں مگر اس سے اتنا تو ظاہر ہے کہ آپؐ کے دل میں نمازِ باجماعت کی کس قدر اہمیت تھی۔ آپؐ نے اس مثال کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا

کہ جو لوگ باجماعت نماز ادا نہیں کرتے وہ اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بے شک دُنیا میں نیکی کے اور بھی بہت سے کام ہیں لیکن نماز کو خدا تعالیٰ نے سب سے مقدم قرار دیا ہے اور سوائے اِس کے کوئی معذوری ہو یا کوئی ہنگامی کام پڑ جائے نمازوں کے اوقات میں مسجد میں آنا نہایت ضروری ہے۔ ہنگامی کاموں سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی جگہ آگ لگ گئی ہو تو اُس وقت آگ بجھانا ضروری ہوگا نماز بعد میں ادا کر لی جائے گی لیکن اِس قسم کے استثنائی حالات کے بغیر جو شخص نماز باجماعت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے وہ ایک بہت بڑے جُرم کا مرتکب ہوتا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ سوم صفحہ ۲۰۱۹)

نماز کی حقیقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دُعا ہے مگر لوگ اِس کو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خدا تعالیٰ کو اِن باتوں کی کیا حاجت ہے۔ اُس کے غنائے ذاتی کو اِس بات کی کیا حاجت ہے کہ انسان دُعا تسبیح اور تہلیل میں مصروف ہے بلکہ اِس میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ وہ اِس طریق پر اپنے مطلب کو پہنچ جاتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آجکل عبادات اور تقویٰ اور دینداری سے محبّت نہیں ہے۔ اِس کی وجہ ایک عام زہریلا اثر رسم کا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے اور عبادت میں جس قسم کا مزہ آنا چاہیئے وہ مزہ نہیں آتا ..... جس طرح پر ایک مریض ایک عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ چیز کا مزہ نہیں اُٹھا سکتا اور وہ اسے تلخ یا بالکل پھیکا سمجھتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو عبادتِ الٰہی میں حظ اور لذّت نہیں پاتے اُن کو اپنی بیماری کا فکر کرنا چاہیئے۔"

(الحکم ۱۲ راپریل ۱۸۹۹ء)

دُکھ درد کا کارن اور اُس سے نجات کی راہ

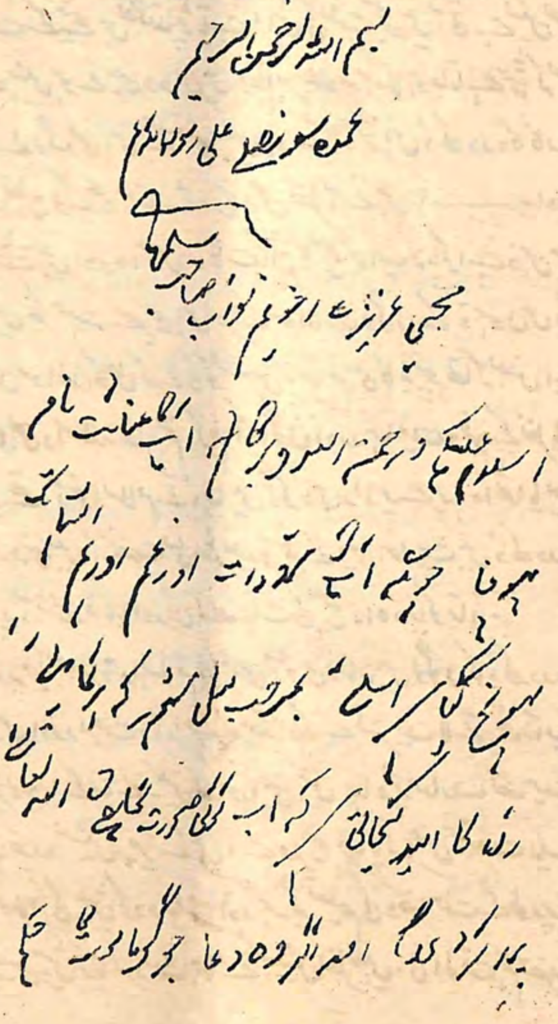
مسیحِ پاک علیہ السلام کا ایک اَور گرانقدر مکتوب!

دنیا میں راحت و آرام کے ساتھ ساتھ مصائب و آلام کا سلسلہ کیوں ہے؟ ایک دُکھ درد تو وہ ہے جو انسان کو اپنے ہی افعال اور غلط اقدامات کے نتیجے میں بھگتنا پڑتا ہے، اس کی علّت سمجھ میں آتی ہے لیکن بعض مصائب ایسے ہوتے ہیں جو انسان کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہوتے یعنی وہ ان میں بظاہر بلاوجہ مبتلا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بعض حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھنے والے لوگ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوتے، آخر اس دُکھ درد کا کارن کیا ہے؟ کیوں بسا اوقات نیک اور شریف الطبع لوگ بھی مبتلائے رنج و محن نظر آتے ہیں؟ —— یہ اور اسی قسم کے دوسرے سوالات لوگوں کے دلوں میں اُٹھتے ہیں اور وہ بعض اوقات اُن کا صحیح جواب نہ پاکر اپنے ذہن میں غلط نظریات قائم کر لیتے ہیں۔ اِس زمانہ میں ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہی اِس قسم کے سوالات لوگوں کے ذہنوں میں الجھن پیدا کرتے رہے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال قبل ان سوالوں کو حل کرنے کی کوشش ناتمام ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ بعض ایسے فلسفیانہ نظریوں نے جنم لیا جن کو حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ جنم، کرم، آواگون اور رہبانیت وغیرہ کے نظریات ایسے ہی غلط اندازِ فکر اور ناتمام کوششوں کا نتیجہ تھے۔ آخر اسلام نے دُنیا میں آکر اس راز سے پردہ اُٹھایا یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور قرآن کی ہی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں دُکھ درد اور مصائب و آلام کی وجہ اور ان کی حکمت کو دُنیا پر آشکار فرمایا اور اُن سے نجات کی صحیح راہ دُنیا کو بتائی۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اِس آخری زمانہ میں لوگوں کو دُکھ درد اور مصائب و مشکلات سے نجات دلانے اور حقیقی سُکھ چین اور راحت و آرام سے ہمکنار کرنے تشریف لائے تھے۔ آپ نے اِس بارے میں اسلام کی پیش کردہ تعلیم کو از سرِ نو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اپنی بیش بہا و پُر معارف تصانیف اور آسمانی نور و ہدایت سے مملو تقاریر میں اِس قدر دلنشیں پیرائے میں اسے واضح فرمایا کہ اصل حقیقت ایک دفعہ پھر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ آپ نے اسلام کی پیش کردہ جامع اور ہمہ گیر تعلیم کی وضاحت کے طور پر اِس بارہ میں جو کچھ رقم یا بیان فرمایا اُسے بالتفصیل پیش کرنا سرِدست ہمارے پیشِ نظر نہیں۔ فی الوقت ہم حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور نہایت ہی گرانقدر مکتوب ہدیۂ احباب کرنا چاہتے ہیں۔ گزشتہ اشاعت میں شائع شدہ مکتوب کی طرح یہ مکتوب بھی سلسلۂ احمدیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ آف مالیرکوٹلہ کے نام ہے جو حضورؑ نے آپ کے ایک خط کے جواب رقم فرمایا تھا۔ اس میں حضورؑ نے فلسفۂ مصائب کے ایک خاص پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور مصائب و آلام سے نجات پانے اور حقیقی راحت و آرام سے ہمکنار ہونے کی راہ بتائی ہے۔ یہ گرانقدر مکتوب قَلَّ وَ دَلَّ کی بہترین مثال ہے مکتوب کیا ہے ایک کوزہ ہے جس میں دریا ہی نہیں سمندر بند ہے حضورؑ کے اس نادر و بیش بہا مکتوب کا عکس درج ذیل ہے :-

حضور علیہ السلام کے مکتوب کا عکس



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محبی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ [illegible]

رکھتے ہیں ہمارے اختیار میں کچھ نہیں رہتا

ہے آج راحت کی گھڑی ہے سخت تکالیف اٹھا کر دیکھا

لیکن افسوس کہ جب کہ انسان ہو جاتا ہے

ایسے دعا سے بے پروائی کرتے ہیں بلکہ

جس وقت رجا کی تو اس کی ہے وہ حالت رجا

اس وقت بھی کوشش کرے ہمت اور دعا میں کمی نہ کرے کہ وہ

حالت اب رکھی ہوئی ہے اور امید الٹا ہو گئی عین وقت

وہ حالت ختم ہو جائیگی اور پھر اب شکوہ شکایت

بھی نہ رکھنی چاہئیے اور امید رکھنا چاہئے کہ وہ

خدا کا بندہ حصہ لگاتا ہے اور بخشنے والا

اس کا جھگڑا بعید ہے بخشش

کہ نہ وہ سکرات میں ہے اور نہ وہ دل کا فقدان حالت ہے

اعمال صالحہ جو سکرات کے عمل متشبہ ہیں دو قسم کے ہیں

اوّل وہ تکلیفات شرعیہ جو سر تکلیف شرعیہ ہیں

بیان فرمائی گئی ہیں اور اگر کوئی ان کی ادائیگی میں

قاصر رہے یا بعض احکام بجا لانے میں قصور ہو جاتا

اور وہ نجات پا سکتی پوری طور پر اسکی توفیقات

الٰہیہ کا ایک دوسری قسم کا بطور تتمہ اور تکملہ شریعت

اسکی لئے مقرر کر دیئے اور وہ یہ کہ اسپر جو

مصائب وارد جاتی ہیں اور اسکو مسکراتی ہوتی ہیں

اور جسقدر کاسابی شاداروالی اسکی نگاہ میں رہتی ہے

سب ہو گزرے جاتی ہیں تب وہ تہ ہوتا ہے اور خیال

کرتا ہے کہ شائد یہی زندگی کا یہ آخری وقت ہے اور اف

اس پر قدر پشیمان ہوں کہ اور کوتاہیاں ہیں اور گستاخیاں کیں عمر بھی
پہلی بار کہ جو تحمل کر گئیں تب خدائی کرم اور فضل
اور رحمانیت کا وقت آ جاتا ہے اور روز و شب دعائیں اس کی
قبول کرنے کے لئے کھینچی جاتی ہیں معرفت کی اور نکات پیدا
پر خدا کی نام میں مدت ہے ایک کھیل کر کے بھی الگ انسان بھی کام
نادر کیا وہ آگاہ تی کا بابو ۔ بنا لیا تو برد کو کوئی
ایک حدیث میں ہے کہ جب قیامت کا دن آئے گا
کہ بڑی بڑی اجر ملتی ہے جس کو کوئی ...
ہیں ... کاٹا گیا جسم قینچیوں سے کاٹا
جاتا تا آج ... والسلام والله ...

مکتوب گرامی کی عبارت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
محبی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا چونکہ آپ کے تردّدات اور غم اور ہم انتہا تک پہنچ گیا ہے اس لئے بموجب مثل مشہور کہ ہر کمالے را زوالے امید کی جاتی ہے کہ اب کوئی صورت مخلصی کی اللہ تعالیٰ پیدا کر دے گا اور اگر وہ دعا جو گویا موت کا حکم رکھتی ہے اپنے

اختیار میں ہوتی تو میں اپنے پر آپ کی راحت کے لئے سخت تکالیف اٹھا لیتا لیکن افسوس کہ جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے ایسی دعا خدا تعالیٰ نے کسی کے ہاتھ میں نہیں رکھی بلکہ جبکہ وقت آجاتا ہے تو آسمان سے وہ حالت دل پر اترتی ہے۔ میں کوشش میں ہوں اور دعا میں ہوں کہ وہ حالت آپ کے لئے پیدا ہو اور امید رکھتا ہوں کہ کسی وقت وہ حالت پیدا ہو جائے گی۔ اور میں نے آپ کی سبکدوشی کے لئے کئی دعائیں کی ہیں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ خالی نہ جائیں گی۔ جس قدر آپ کے لئے حصہ تکالیف اور تلخیوں کا مقدر ہے اس کا چکھنا ضروری ہے بعد اس کے یکدفعہ آپ دیکھیں گے کہ نہ وہ مشکلات ہیں اور نہ وہ دل کی حالت ہے۔ اعمال صالحہ جو شرط دخول جنت ہیں دو قسم کے ہیں اوّل وہ تکلیفات شرعیہ جو شریعتِ نبویہ میں بیان فرمائی گئی ہیں اور اگر کوئی ان کے ادا کرنے میں قاصر رہے یا بعض احکام کی بجا آوری میں قصور ہو جائے اور وہ نجات پانے کے پورے نمبر نہ لے سکے تو عنایتِ الٰہیہ نے ایک دوسری قسم بطور تتمہ اور تکملہ شریعت کے اس کے لئے مقرر کر دی ہے اور وہ یہ کہ اس پر کسی قدر مصائب ڈالی جاتی ہیں اور اس کو مشکلات میں پھنسایا جاتا ہے اور جس قدر کامیابی کے دروازے اُس کی نگاہ میں ہیں سب کے سب بند کر دیئے جاتے ہیں۔ تب وہ تڑپتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ شاید میری زندگی کا یہ آخری وقت ہے اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ اور مکروہات بھی اور کئی جسمانی عوارض بھی اس کی جان کو تحلیل کرتے ہیں تب خدا کے کرم اور فضل اور عنایت کا وقت آجاتا ہے اور درد انگیز دعائیں اُس قفل کے لئے بطور کنجی کے ہو جاتی ہیں۔ معرفت زیادہ کرنے اور نجات دینے کے لئے یہ خدائی کام ہیں۔ مدت ہوئی ایک شخص کے لئے مجھے انہی صفاتِ الٰہیہ کے متعلق یہ الہام ہوا تھا:۔

قادر ہے وہ بارگہ ٹوٹا کام بناوے ؏ بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب قیامت کے دن اہل مصائب کو بڑے بڑے اجر ملیں گے تو جن لوگوں نے دنیا میں کوئی مصیبت نہیں دیکھی وہ کہیں گے کہ کاش ہمارا تمام جسم دنیا میں قینچیوں سے کاٹا جاتا تا آج ہمیں بھی اجر ملتا۔ والسلام

خاکسار

مرزا غلام احمد عفی عنہ

(مکتوباتِ احمدیہ جلد ہفتم حصہ اوّل ص ۲۳، ۲۴)

حضور علیہ السلام کے اِس نادر و بیش بہا مکتوب سے ظاہر ہے کہ انسان کا مصائب و آلام اور دُکھ درد میں

مبتلا ہونا خالی از علت نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ بعض اوقات اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور اس طرح اُن کو اپنے بے پناہ افضال و اکرام اور رحمتوں اور برکتوں کا مورد بنانا چاہتا ہے۔ یہ مصائب و آلام اس کے لئے معرفت میں ترقی اور حصولِ نجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں انسان کو چاہیئے کہ وہ صبر اور صلوٰۃ سے کام لے یعنی کمال درجہ استقامت اور استقلال کے ساتھ ان مشکلات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو بلکہ ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہے اور ہر آن خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر نگاہ رکھے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ نہ صرف دُکھ درد سے نجات پائے گا بلکہ یہ دُکھ درد حصولِ معرفت اور نجات کا ذریعہ بن کر اسے حقیقی راحت و آرام سے ہمکنار کر دیں گے۔ اس کے لئے صبر کے ساتھ ساتھ دعاؤں میں شغف ضروری ہے اور وہ بھی اتنا شغف اور استغراق کہ دُعا کی وہ خاص حالت اور کیفیت میسر آجائے جو قبولیت کی بیّن علامت ہوتی ہے۔ دُکھ درد اور مصائب و آلام کی یہی حکمت ہے اور یہی اس کا فلسفہ اور اس سے نجات پانے کی یہی حقیقی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس راہ پر گامزن ہونے اور اس کے جملہ تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ؟

نزولِ برکات سے پہلے ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اُن پر کوئی ابتلاء نہیں آیا وہ ایک وجہ سے بدقسمت ہیں کیونکہ وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کر کے خدا سے غافل اور بہائم کی سی زندگی بسر کرتے ہیں... ..... کسی شخص کو ہم اور غم میں مبتلا دیکھ کر یہ مت سمجھو کہ وہ بدقسمت ہے۔ نہیں بلکہ اگر وہ اِس ہم و غم میں خدا کو نہ بھُولے تو وہ اُس سے پیار کرتا ہے اور اُس پر بڑی بڑی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اِس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح کسی بیمار اعضاء پر مرہم لگانے سے پیشتر اس کا چیرنا اور عمل جراحی کرنا ضروری ہوتا ہے اِسی طرح پر خدا کی برکات کے نزول سے پہلے اُس کی راہ میں ہم و غم کا آنا ضروری ہوتا ہے۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۵، ۴۶)

للّٰہی وقف کے عظیم الشان ثمرات

(مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ (بقرہ ع ۱۳)

جو شخص اپنا چہرہ یعنی اپنا وجود خدا کو سونپ دے۔ اس طرح کہ اس کا کوئی ارادہ اس کا اپنا ارادہ نہ رہے بلکہ خدا کا ارادہ بن جائے اور اس سے کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہو جو خدا تعالیٰ کے منشاء اور اس کی رضا کے خلاف ہو۔ یعنی وہ شخص اپنا سبھی کچھ خدا کے لئے وقف کر دے اور پھر خدا کی رضا کے لئے نیک کاموں پر استقامت اختیار کرے اور اس عہد کو باحسن طریق نبھائے اور اپنی تمام عملی طاقتیں اور قوتیں اسی کی راہ میں لگا دے تو اللہ تعالیٰ اس کا وقف قبول فرماتے ہوئے اسے بے حد اجر عظیم دے گا۔ اس طرح کہ اس کے دنیا اور آخرت کے سبھی کام وہ خود بنا دے گا اور اُسے ہر قسم کے غم و ہم سے نجات دیدے گا۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک سچے مُسلم کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ ایک سچا مُسلم وہ ہے جو اعتقاداً و عملاً دونوں جہت سے اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کو سونپ دے۔ اس طرح کہ اس کی مرضی اس کی مرضی نہ رہے بلکہ خدا تعالیٰ کی مرضی بن جائے یعنی وہ خدا تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق زندگی بسر کرے اور اس کا اپنا وجود، اپنا ارادہ اور اپنی خواہشیں ختم ہو جائیں۔ اس کی تمام زندگی خدا تعالیٰ کی مرضی و منشاء کی آئینہ دار بن جائے۔ اعتقاداً اس طرح کہ اُسے یہ یقین کامل حاصل ہو جائے کہ اس کا وجود محض اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضامندی کے حصول کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور عملاً اس طرح کہ وہ ہر قسم کے نیک کام نہایت ذوق و شوق کے ساتھ سرانجام دے اور اس دوڑ میں وہ سب سے آگے نکل جانے کی کوشش کرے۔ ایک مسلم جب اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کو مشقت نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی تصنیف لطیف "آئینہ کمالات اسلام" میں فرماتے ہیں:۔

"اسلام کی حقیقت تب کسی میں متحقق ہو سکتی ہے کہ جب اس کا وجود مع اپنے تمام باطنی و ظاہری قوی کے محض خدا تعالیٰ کے لئے اور اس کی راہ میں وقف ہو جائے اور جو امانتیں اس کو

خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں پھر اسی معطیٔ حقیقی کو واپس دی جائیں۔ اور نہ صرف اعتقادی طور پر بلکہ عمل کے آئینہ میں بھی اپنے اسلام اور اس کی حقیقتِ کاملہ کی ساری شکل دکھلائی جائے۔ یعنی شخص مدعیٔ اسلام یہ بات ثابت کر دیوے کہ اس کے ہاتھ، پَیر اور دل اور دماغ اور اُس کی عقل اور اس کا فہم اور اُس کا غضب اور اُس کا رحم اور اس کا حلم اور اس کا علم اور اُس کی تمام روحانی اور جسمانی قوتیں اور اس کی عزت اور اُس کا مال اور اُس کا آرام اور سرور اور جو کچھ اُس کا سر کے بالوں سے پَیروں کے ناخنوں تک باعتبار ظاہر و باطن کے ہے یہاں تک کہ اُس کی نیّات اور اُس کے دل کے خطرات اور اُس کے نفس کے جذبات سب خدا تعالیٰ کے ایسے تابع ہو گئے ہیں کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء اس شخص کے تابع ہوتے ہیں۔ غرض یہ ثابت ہو جائے کہ صدقِ قدم اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ جو کچھ اُس کا ہے وہ اُس کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہو گیا ہے اور تمام اعضاء اور قویٰ الٰہی خدمت میں ایسے لگ گئے ہیں کہ گویا وہ جوارح الحق ہیں۔" (صفحہ ۵۹-۶۰)

قرآن کریم کی محوّلہ بالا آیت شریفہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح رنگ میں مسلم بننے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ اُس کی عبادت، ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تحمید کو یاد کے طور پر نہیں بلکہ اِس انداز سے کیا جائے کہ انسان اِنہی میں محو ہو جائے اور اِنہی سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اور اِس کا دوسرا طریق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتیں اُس کے بندوں کی خدمت، ہمدردی اور غمخواری میں صرف کی جائیں، اِس طرح کہ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دُکھ اُٹھائے جائیں اور دوسروں کی راحت کے لئے رنج گوارا کئے جائیں۔

پس حقیقی طور پر "مسلم" کہلانے کا مستحق ایک انسان تبھی ہو سکتا ہے جبکہ اُس کی زندگی میں ایک انقلاب بپا ہو جائے۔ اُس کے نفسِ امّارہ پر فنا وارد ہو جائے اور پھر اس موت کے قبول کر لینے کے بعد اُس میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے جو کلیۃً خدا تعالیٰ کی عبادت اور مخلوق کی ہمدردی میں صرف ہو۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"یہ للّٰہی وقف محض اِس صورت میں اسم بامسمّٰی ہوگا کہ جب تمام اعضاء للّٰہی طاعت کے رنگ سے ایسے رنگ پذیر ہو جائیں کہ گویا وہ ایک الٰہی آلہ ہیں جس کے ذریعہ وقتاً فوقتاً افعالِ الٰہیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یا ایک مصفّٰے آئینہ ہیں جس میں تمام مرضیاتِ الٰہیہ بصفائی تام عکسی طور پر ظہور پکڑتی رہتی ہیں۔ اور جب اِس درجۂ کاملہ پر للّٰہی طاعات و خدمات پہنچ جائیں تو اِس حجۃ اللہ کی برکت سے اِس وصف کے انسان کے قویٰ اور جوارح کی نسبت وحدتِ شہود کے طور پر یہ

کہنا صحیح ہوتا ہے کہ مثلاً یہ آنکھیں خدا تعالیٰ کی آنکھیں اور یہ زبان خدا تعالیٰ کی زبان اور یہ ہاتھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ اور یہ کان خدا تعالیٰ کے کان اور یہ پاؤں خدا تعالیٰ کے پاؤں ہیں۔ کیونکہ وہ تمام اعضاء اور قوتیں الٰہی راہوں میں خدا تعالیٰ کے ارادوں سے پُر ہو کر اور اس کی خواہشوں کی تصویر بنکر اس لائق ہو جاتی ہیں کہ اُن کو اُسی کا رُوپ کہا جائے۔ وجہ یہ کہ جیسے ایک شخص کے اعضاء پورے طور پر اس کی مرضی اور ارادہ کے تابع ہوتے ہیں ایسا ہی کامل انسان اس درجہ پر پہنچ کر خدا تعالیٰ کی مرضیات اور ارادات سے موافقت تامہ پیدا کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور وحدانیت اور مالکیت اور معبودیت اور اس کی ہر یک مرضی اور خواہش کی بات ایسی ہی اس کو پیاری معلوم ہوتی ہے کہ جیسی خود خدا تعالیٰ کو۔ سو یہ عظیم الشان الٰہی طاعت و خدمت جو پیار اور محبت سے ملی ہوئی اور خلوص و حنفیتِ تامہ سے بھری ہوئی ہے یہی اسلام اور اسلام کی حقیقت اور اسلام کا لب لباب ہے جو نفس اور خلق اور ہوا اور ارادہ سے موت حاصل کرنے کے بعد ملتا ہے۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۶۲)

اور جب ایک انسان اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر کے صحیح رنگ میں مسلم بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے جو انوار و افضال اس پر نازل ہوتے ہیں اُن کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"ہم کسی قدر اِس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے ثمرات کیا ہیں۔ سو واضح ہو کہ جب کوئی اپنے مولیٰ کا سچا طالب کامل طور پر اسلام پر قائم ہو جائے اور نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے بلکہ طبعی طور پر خدا تعالیٰ کی راہوں میں ہر ایک قوت اس کے کام میں لگ جائے تو آخری نتیجہ اُس کی اِس حالت کا یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کی اعلیٰ تجلیات تمام حُجب سے مبرّا ہو کر اُس کی طرف رُخ کرتی ہیں اور طرح طرح کی برکات اُس پر نازل ہوتی ہیں اور وہ احکام اور وہ عقاید جو محض ایمان اور سماع کے طور پر قبول کئے گئے تھے اب بذریعہ مکاشفاتِ صحیحہ اور الہامات یقینیہ قطعیہ مشہود اور محسوس طور پر کھولے جاتے ہیں اور معضلاتِ شرع اور دین کے اسرارِ سربستہ ملّتِ حنفیہ کے اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ملکوتِ الٰہیہ کا اُس کو سیر کرایا جاتا ہے تا وہ یقین اور معرفت میں مرتبہ کامل حاصل کر لے۔ اور اُس کی زبان اور اُس کے بیان اور تمام افعال اور اقوال اور حرکات سکنات میں ایک برکت رکھی جاتی ہے اور ایک فوق العادت شجاعت اور استقامت اور ہمت اُس کو عطا کی جاتی ہے اور شرح صدر کا ایک اعلیٰ مقام اُس کو عنایت کیا جاتا ہے اور بشریت کے حجابوں کی تنگدلی اور خسّت اور بخل اور بار بار کی لغزش اور تنگ چشمی اور غلامی شہوات اور دنائت اخلاق اور ہر ایک قسم کی (باقی ص۳۷ پر)

عُلومِ سماوی کے بیش بہا خزائن

(مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ایل ایل۔بی)

خدا تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو مصلحتِ عام کے لئے خاص کر کے لوگوں کی اصلاح اور اُن کی ہدایت و راہنمائی کے خاطر دنیا میں مبعوث کرتا ہے تو خدا کی طرف سے اُسے حکمت و دانش، فہم و فراست اور تسخیرِ قلوب و تطہیرِ نفوس کی بے پناہ قوتیں عطا کی جاتی ہیں، علومِ سماوی سے بہرہ وافر اُسے ودیعت ہوتا ہے حقائق و دقائق اور کامل معارف سے اسے آگاہی بخشی جاتی ہے، فطرت و مشیّت کے صدہا راز اس پر کھولے جاتے ہیں اور قلب و نظر کی وسعتوں سے اُسے مالا مال کر دیا جاتا ہے۔ انعاماتِ خداوندی کی یہ پیہم بارشیں اُسے اپنا فرضِ منصبی کمال درجہ خوش اسلوبی سے ادا کرنے کے قابل بنا دیتی ہیں اور وہ انتہائی مخالف حالات میں بھی فائز المرام ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں متعدد انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور پر اس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ اپنے اِن ماموروں کو اس نے خود حکمت و دانش سکھائی اور علم و معرفت میں وہ درجہ انہیں عطا کیا جسے کوئی انسان بھی اپنی ذاتی کوشش اور جدوجہد کے نتیجے میں اکتساب کے رنگ میں حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے ہم نے آدم کو سب نام سکھائے (البقرہ آیت ۳۲) اسی طرح قرآن مجید میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جب توحید کی طرف دعوت دی تو یہی کہا کہ خدا نے مجھے جو علم عطا کیا ہے وہ دوسروں کو عطا نہیں کیا (مریم : ۴۴) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو حکمت عطا ہونے کے ضمن میں فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو بھی کتاب اور حکمت عطا کی اور انہیں سلطنت بخشی۔ (النساء ۵۵) نیز حضرت لوط، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ان میں سے ہر ایک کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا کیا (الانبیاء آیت ۷۵، یوسف ۲۳، القصص ۱۵، الانبیاء ۸۰) جب حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تو اُس وقت اُنہیں یہ خبر بھی دی کہ ہم اُسے کتاب اور حکمت کی باتیں سکھائیں گے اور تورات اور انجیل کا علم دیں گے (آل عمران : ۴۹) آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں کامل ترین اور ہمیشہ ہمیش قائم رہنے والی

شریعت عطا ہوئی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ کچھ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا اور یہ تجھ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ (النساء: ۱۱۴)

قرآنِ مجید کی یہ اور اسی مفہوم کی دیگر آیات اس امر پر گواہ ہیں کہ خدا تعالےٰ اپنے ماموروں کو علوم و معارف کے خزانے عطا فرماتا ہے اور انہیں غیر معمولی حکمت و دانائی سے نوازتا ہے۔ اسی لئے وہ خود بھی دنیا میں علوم و معارف کے دریا بہاتے، حکمت و معرفت کے موتی بکھیرتے اور حقائق و دقائق کے خزانے لٹاتے ہیں۔ ان کا کلام معجز بیان نور اور رشد و ہدایت کا ایک ایسا چشمۂ صافی ہوتا ہے جو دلوں کو اس طور سے سیراب کرتا چلا جاتا ہے کہ دلوں کے زنگ دور ہو جاتے اور ہر قسم کی آلائشیں اور کثافتیں کٹ کر رہ جاتی ہیں اور سینے دھل دھل کر مہبطِ انوارِ الٰہی بن جاتے ہیں۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آخری زمانے میں اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی کامل اتباع اور پیروی کی برکت سے ماموریت کے مقام پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدیم سنّت کے مطابق آپ کو بھی علم و حکمت اور حقائق و معارف کے خزانے عطا کئے۔ آپ نے اسّی سے بھی زیادہ تعداد میں کتب تصنیف فرما کر ان بیش بہا خزائن کو سب کے لئے عام کر دیا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ کی قوتِ قدسی سے فیضیاب ہونے اور آپ کے لٹائے ہوئے خزانوں سے اپنی جھولیاں بھرنے والے، عام انسانوں سے با اخلاق انسان، با اخلاق انسانوں سے باخدا انسان اور باخدا انسانوں سے خدا نما انسان بن گئے اور ایک دنیا کو حق و صداقت اور راستی کی طرف لانے کا موجب ثابت ہوئے۔ علوم و معارف کے یہ بیش بہا خزانے آپ کی تصانیف کی شکل میں آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان کا بنظرِ غائر اور بار بار مطالعہ کر کے آج بھی ہم قرآنی علوم و معارف اور فراست و حکمت کے وارث قرار پا سکتے ہیں اور اُن کے زیرِ اثر ہمارے سینے بھی مہبطِ انوارِ الٰہی بن سکتے ہیں کیونکہ یہ بیش بہا تصانیف قرآنی حقائق و معارف کے علاوہ تسخیرِ قلوب کی بے پناہ قوت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ بلاشبہ آپ کی تصانیف ایک مامور من اللہ کی تصانیف ہونے کے باعث ایک زندگی بخش جام ہیں اور مُردہ دلوں کے لئے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہیں۔ یہ روحانی مریضوں کے لئے شفائے کامل کا مژدۂ جانفزا ہیں اور مُردہ رُوحوں کو از سرِ نو زندہ کرنے اور حیاتِ ابدی سے ہمکنار کرنے کا ایک انتہائی مؤثر ذریعہ ہیں۔ ان سے بے نیاز رہ کر ہمارے لئے نہ قرآنِ مجید کے حقائق و معارف کا حصول ممکن ہے اور نہ صحیح معنوں میں فائز المرام ہونے کا کوئی امکان۔ یہی وجہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بیش بہا تصانیف کا مطالعہ نہ کرنے اور ان سے عملاً روگردان رہنے کو جرم قرار دیا ہے اور جرم بھی وہ جرم جس کے لئے کوئی عذر بھی کام نہ آسکے گا۔

ذیل میں حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کی تصانیف کی اہمیت واضح کرنے کے لئے خود آپ کے ہی بعض قیمتی ارشادات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ یہ امر واضح ہو سکے کہ علوم سماوی کی جوئے شیریں کے کنارے بیٹھنے کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کے باوجود تشنہ رہنا اور تشنگی بجھانے کی پروا نہ کرنا بہت ہی بڑی بدنصیبی اور بدقسمتی پر دلالت کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :-

زندگی بخش جام

"مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو مَیں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے مُنہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کے مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مُردہ دلوں کے لئے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اِس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اُس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۔ طبع اوّل)

آبِ حیات

"ایسا ہی یہ عاجز بھی .... خالی نہیں آیا بلکہ مُردوں کے زندہ ہونے کے لئے بہت سا آبِ حیات خدا تعالیٰ نے اِس عاجز کو بھی دیا ہے۔ بے شک جو شخص اِس میں سے پئے گا زندہ ہو جائے گا۔ بلاشبہ مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے کلام سے مُردے زندہ نہ ہوں اور اندھے آنکھیں نہ کھولیں اور مجذوم صاف نہ ہوں تو مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۴ طبع سوم)

معارف و حقائق

"مجھ کو خدا نے بہت سے معارف اور حقائق بخشے اور اِس قدر میری کلام کو معرفت کے پاک اسرار سے بھر دیا کہ جب تک انسان خدا تعالیٰ کی طرف سے پورا تائید یافتہ نہ ہو اُس کو یہ نعمت نہیں دی جاتی۔"

(انجام آتھم طبع دوم صفحہ ۲۹۵)

سچی حقیقتیں

"اور میری جو حالت ہے وہ خداوند کریم خوب جانتا ہے۔ اُس نے مجھ پر کامل طور پر اپنی برکتیں نازل کی ہیں

اور اتباعِ نبوی میں ایک گرم جوش فطرت بخش کر بھیجا ہے کہ تا حقیقی متابعت کی راہیں لوگوں کو دکھلاؤں اور اُن کو اُس علمی اور عملی ظلمت سے باہر نکالوں جو بوجہ کم توجہی اُن پر محیط ہو رہی ہے۔ مَیں اِس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میری رُوح میں کچھ زیادہ سرمایہ علومِ کسبیہ ہے بلکہ مَیں اپنی ہیچ مدانی اور کم لیاقتی کا سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اقرار کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ اِس کے میں اِس اقرار کو بھی مخفی نہیں رکھ سکتا کہ میرے جیسے ہیچ اور ذلیل اور اُمّی کو خداوند کریم نے اپنے کنارِ تربیت میں لے لیا اور ان سچی حقیقتوں اور کامل معارف سے مجھے آگاہ کر دیا کہ اگر مَیں تمام غور و فکر کرنے والوں سے زیادہ غور و فکر کرتا رہتا اور دنیا میں ایک لمبی عمر بھی پاتا تب بھی اِن حقائق اور معارف تک ہرگز پہنچ نہ سکتا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۲۳ طبع اول)

اشاعتِ تالیفات کی اہمیت

"اور تحریر میں مجھے وہ طاقت دی گئی ہے کہ گویا مَیں نہیں بلکہ فرشتے لکھتے جاتے ہیں گو بظاہر میرے ہی ہاتھ ہیں۔ دوسری شاخ اخراجات کی جس کے لئے ہر وقت میری جان گدازش میں ہے سلسلہ تالیفات ہے۔ اگر یہ سلسلہ سرمایہ کے نہ ہونے سے بند ہو جائے تو ہزارہا حقائق اور معارف پوشیدہ رہیں گے اِس کا مجھے کس قدر غم ہے؟ اِس سے آسمان بھر سکتا ہے۔ اِسی میں میرا سرور اور اِسی میں میرے دل کی ٹھنڈک ہے کہ جو کچھ علوم اور معارف سے میرے دل میں ڈالا گیا ہے، مَیں خدا کے بندوں کے دلوں میں ڈالوں۔ دُور رہنے والے کیا جانتے ہیں مگر جو ہمیشہ آتے جاتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ کیونکر مَیں دن رات تالیفات میں مستغرق ہوں اور کس قدر میں اپنے وقت اور جان کے آرام کو اِس راہ میں فدا کر رہا ہوں۔ مَیں ہر دم اِس خدمت میں لگا ہوا ہوں لیکن اگر کتابوں کے چھپنے کا سامان نہ ہو اور عملہ مطبع کے خرچ کا روپیہ موجود نہ ہو تو مَیں کیا کروں۔ جس طرح ایک عزیز بیٹا کسی کا مر جاتا ہے اور اس کو سخت غم ہوتا ہے اسی طرح مجھے کسی ایسی کتاب کے نہ چھپنے سے غم دامنگیر ہوتا ہے جو وہ کتاب بندگانِ خدا کو نفع رساں اور اسلام کی سچائی کے لئے ایک چراغ روشن ہو۔" (اشتہار ۴ راکتوبر ۱۸۹۹ء تبلیغِ رسالت جلد ۸ ص۷۰،۷۱)

میری قلم مولیٰ کو خوش کرنے کے لئے تراشی گئی ہے

وانّ قلمی بریٔ من ادناس الھوٰی و
بری لارضاء المولٰی وانّ لیراعی اثر
من الباقیات الصالحات" (اعجاز المسیح ص۱۹۶ طبع اول)

یعنی میری قلم خواہشات کی ناپاکیوں سے بچائی گئی ہے اور مولیٰ کو راضی کرنے کے لئے تراشی گئی ہے اور میرے قلم کا نیک اثر باقی رہے گا۔

جواهر الكلام

فما كان عندي من مال الدنيا وخيلها وافراسها غير أني أُعطيتُ جياد الاقلام ورُزقتُ جواهر الكلام و أُعطيتُ من نورٍ يؤمنني العثار ويبيّن لي الآثار فهذه المدرسة الالهية السمٰوية قد اغنتني وجبرت عيلتي واضائتني ونوّرت ليلتي وادخلتني في المنعمين.

(نور الحق حصہ اوّل ص۲ طبع اوّل)

سو میرے پاس دنیا کا مال اور گھوڑے اور سواریاں نہیں تھے سوائے اس کے کہ مجھے قلموں کے گھوڑے دیئے گئے اور کلام کے جواہرات دیئے گئے اور مجھے ایسا نور عطا کیا گیا جو ہر لغزش سے بچاتا ہے اور راست روی کے آثار مجھ پر ظاہر کرتا ہے۔ پس اس الٰہی اور آسمانی دولت نے مجھے مالامال کر دیا اور میرے افلاس کو دور کر دیا اور مجھے روشن کر دیا اور میری رات کو منور کر دیا اور مجھے منعموں میں داخل کر دیا۔

كأساً دهاقاً

"فاعلموا يا معشر الكرام وجموع اولي الابصار والافهام انّ الله قد بعثني مجدّداً على رأس هذه المائة واختصّ عبداً لمصالح العامة اعطاني علوماً و معارف تجب لاصلاح هذه الامة ووهب لي من لدنه علماً حيّاً لاتمام الحجة على الكفرة الفجرة واعطاني ثمراً غضّاً طريّاً لتغذية جياع الملّة وكأساً دهاقاً لعطشى الهداية و المعرفة وجعلني اماماً لكلّ من يريد صلاح نفسه ويحبّ رضاء ربّه وجعلني من المكلّمين الملهمين

پس جان لو اے بزرگو اور بصیرت رکھنے والو اور عقلمندو! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس صدی کے سر پر مجدد بنا کر بھیجا ہے اور لوگوں کے فائدہ کے لئے بندے کو چن لیا ہے اور اس نے مجھے وہ علوم و معارف دیئے ہیں جن کی اس اُمت کو ضرورت تھی۔ اور اور اس نے مجھے کافروں اور فاجروں پر اتمام حجت کے لئے زندہ علم دیا ہے اور تازہ بتازہ پھل ملت کے بھوکوں کے لئے دیئے ہیں اور بھرے ہوئے پیالے ہدایت اور معرفت کے پیاسوں کے لئے عنایت کئے ہیں اور اس نے مجھے امام بنایا ہر اس شخص کے لئے جو اپنے نفس کی اصلاح چاہتا ہے اور اپنے رب کی رضا کو پسند کرتا ہے اس نے مجھے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف کیا۔

واکمل علیّ نعمہ واتم تفضلہ وسمّانی المسیح ابن مریم بالفضل والرحمۃ وقدر بینی وبینہ تشابہ الفطرۃ کالجوھرین من المادۃ الواحدۃ ووھب لی علومًا مقدّسۃً نقیۃً ومعارف صافیۃ جلیۃ وعلّمنی مالم یعلم غیری من المعاصرین۔ ... وما قلتُ ھذا من عند نفسی بل قلتُ ما قال علی السمٰوٰت ربّی وما کان لی ان اتکبّر وارفع نفسی۔ انّ اللہ لا یحبّ المستکبرین۔ (انجام آتھم ص۷۵ طبع دوم)

اس نے اپنی نعمتیں مجھ پر کامل کیں اور اپنے فضل پورے کئے اور میرا نام اپنے فضل اور رحمت سے مسیح ابن مریم رکھا اور مجھ میں اور اس میں فطرت کی ایسی مشابہت رکھی جیسا کہ ایک ہی مادہ سے دو جوہر ہوتے ہیں۔ اور اس نے مجھے پاکیزہ اور صاف علوم دیئے اور خالص اور اعلیٰ درجے کے معارف دیئے اور مجھے وہ کچھ سکھایا جو اس زمانہ میں کسی اور کو نہ سکھایا۔ ... اور میں نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ وہی کہا ہے جو میرے ربّ نے آسمانوں پر کہا اور میری یہ طاقت نہ تھی کہ میں تکبّر کرتا اور اپنے نفس کو بڑا بناتا۔ اللہ تکبّر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

رحمانی علم

علمی من الرحمان ذی الآلاء
باللہ حزت الفضل لا بدھاء

یعنی میرا علم رحمان کی طرف سے ہے جو نعمتوں والا ہے۔
میں نے فضیلت کو اللہ کے ذریعہ نہ کہ عقل کے ذریعہ جمع کیا ہے۔

(انجام آتھم ص۲۶۶ طبع دوم)

محبّت کے مُلک کی بادشاہت معارفِ الٰہی کے خزانے

"جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبّت کے مُلک کی بادشاہت اور معارفِ الٰہی کے خزانے ہیں جن کو بفضلہ تعالیٰ اس قدر دونگا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔" (ازالہ اوہام ص۸۵۶ طبع اوّل)

روحانی غذا

"اور جیسا کہ یوسفؑ نے اناج کے ذخیرے سے لوگوں کی جان بچائی اسی طرح جان بچانے کے لئے خدا نے اس جگہ بھی مجھے ایک روحانی غذا کا مہتمم بنایا ہے۔ جو شخص اس غذا کو سچّے دل سے پورے وزن کے ساتھ کھائے گا میں یقین رکھتا ہوں کہ ضرور اس پر رحم کیا جائے گا۔" (اشتہار ۲۱ اپریل ۱۹۰۵ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم ص۸۴)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ان بیش بہا

خزائن سے بھی صحیح رنگ میں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ نہ صرف یہ کہ ہم حضورؑ کی تصانیف کو کمال درجہ توجہ اور انہماک کے ساتھ بار بار پڑھتے رہیں بلکہ قرآن مجید اور احادیث نبوی کے بعد ان کا مطالعہ ہمارے روزمرہ کے معمولات کا ایک اہم جزو بن جائے اور ہم اس کے اس درجہ عادی ہو جائیں کہ اس روحانی غذا کے بغیر ہمیں زندگی بے کیف نظر آنے لگے۔ پھر ہمیں حضورؑ کے زندگی بخش ارشادات پر کما حقہ عمل کی توفیق بھی میسر آئے تاہم سب کی زندگیاں صحیح اسلامی تعلیم کا نمونہ ہوتے ہوئے خدا اور اس کے دین کی نصرت میں بسر ہوں اور ہم خدا کے حضور سرخرو ٹھہریں۔ آمین یا ارحم الراحمین ؎

للّٰہی وقف کے عظیم الشان ثمرات (بقیہ صفحہ ۳)

نفسانی تاریکی بکلّی اس سے دور کر کے اس کی جگہ ربّانی اخلاق کا نور بھر دیا جاتا ہے۔ تب وہ بکلّی مبدّل ہو کر ایک نئی پیدائش کا پیرایہ پہن لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے سنتا اور خدا تعالیٰ سے دیکھتا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ حرکت کرتا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرتا ہے۔ اور اُس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب اور اُس کا رحم خدا تعالیٰ کا رحم ہو جاتا ہے۔ اور اس درجہ میں اُس کی دُعائیں بطور اصطفاء کے منظور ہوتی ہیں نہ بطور ابتلاء کے۔ اور وہ زمین پر حجت اللہ اور امان اللہ ہوتا ہے اور آسمان پر اُس کے وجود سے خوشی کی جاتی ہے۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ عطیہ جو اُس کو عطا ہوتا ہے مکالماتِ الٰہیہ اور مخاطباتِ یزدانی ہیں۔ جو بغیر شک اور شبہ اور کسی غبار کے چاند کے نور کی طرح اُس کے دل پر نازل ہوتے ہیں۔ اور ایک شدید الاثر لذّت اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور طمانیت اور تسلی اور سکینت بخشتے ہیں۔"

آئینہ کمالاتِ اسلام
ص ۲۲۶-۲۳۰

کس قدر حقیر قربانی! اور کس قدر عظیم ثمرات!! اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد کو بھی صحیح رنگ میں اپنا سب کچھ اُس کے لئے وقف کر کے حقیقی 'مسلم' بننے کی توفیق عطا فرمائے، ہماری ناچیز کوششوں کو قبول فرمائے اور ہمیں بھی محض اپنے فضل سے اس منعم علیہ گروہ میں سے ہونے کی سعادت نصیب کرے۔ آمین ؎

صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی

بعض غیر مطبوعہ روایات

(مکرم مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور۔ ربوہ)

۱۹۳۳ء میں جب خاکسار سلسلہ کی طرف سے ضلع شاہ پور میں بطور مبلغ متعین تھا تو چک ۹۸ پنیار ضلع شاہ پور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی محترم مولوی مہر دین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کا موقع ملا۔ آپ اصل میں لالہ موسیٰ پٹواڑ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ خاکسار کی درخواست پر آپ نے اپنی حسب ذیل روایات قلمبند کرائیں:-

محترم مولوی مہر دین صاحبؓ ساکن لالہ موسیٰ کی روایات

"میں نے بیعت ۱۸۹۴ء میں کی۔ بیعت کی تحریک حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمیؓ کے ذریعہ ہوئی۔ اُن دنوں میں لالہ موسیٰ میں خانساماں کا کام کرتا تھا۔ میں نے چار دن کی چھٹی لی اور بیعت کی غرض سے قادیان کے لئے روانہ ہوا۔ جس دن میں قادیان پہنچا تو وہ ڈپٹی عبد اللہ آتھم سے متعلق پندرہ ماہ والی پیشگوئی کا آخری دن تھا۔ حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیرویؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے میرا ذکر کرنے کے بعد عرض کیا کہ حضور مہر دین کی بیعت لے لیں۔ حضورؑ نے فرمایا ابھی نہیں۔ اس پر حضرت حکیم فضل دین صاحبؓ نے کچھ اصرار کرنا چاہا لیکن حضرت مولوی برہان الدین صاحبؓ نے کہا جس طرح حضورؑ فرماتے ہیں ویسا ہی کریں اصرار کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اُس وقت بیعت نہ ہو سکی۔ اسی دن عصر کے بعد حضورؑ نے فرمایا ڈپٹی عبد اللہ آتھم نہیں مریگا اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ اس نے حق کی طرف رجوع کیا ہے۔ میں اس سے اگلے روز لالہ موسیٰ واپس چلا آیا۔

جمادی الاول کے مہینے میں ہی پھر قادیان گیا۔ راستہ میں میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ حضورؑ سے علیحدگی میں ملاقات کی کوئی صورت نکل آئے تاکہ میں خود بیعت کے لئے درخواست کر سکوں۔ سوچتا تھا ایسا موقع ملنا بہت مشکل ہے۔ حضورؑ کو مصروفیت زیادہ ہے مجھے علیحدہ ملاقات کا وقت کیسے دیں گے۔ انہی خیالات میں غرق

قادیان پہنچا اور سیدھا مسجد مبارک گیا۔ خدا کی قدرت کیا دیکھتا ہوں حضورؑ مسجد سے ملحق اپنے مکان کے دروازے میں اکیلے کھڑے ہیں اور مسجد میں حضورؑ کے سوا اور کوئی آدمی موجود نہیں ہے۔ حضورؑ کو اس طرح مسجد میں اکیلا دیکھ کر میری تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ دیوانہ وار فوراً آگے بڑھا اور مصافحہ کا شرف حاصل کرنے کے بعد عرض کیا کہ حضورؑ بیعت لے لیں۔ فرمایا کیا پہلے بیعت نہ کی تھی۔ مَیں نے عرض کیا حضور نہیں۔ اس پر حضورؑ نے بیعت قبول فرمائی۔ پھر مَیں نے عرض کیا میری والدہ فوت ہوگئی ہیں حضور اُن کا جنازہ غائب پڑھا دیں۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد حضورؑ نے خود آگے کھڑے ہو کر نماز جنازہ غائب پڑھائی اور زبانِ مبارک سے اعلان فرمایا کہ مہر دین کی والدہ کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ یہ نماز مَیں نے حضورؑ کی اقتدا میں پڑھی۔

اس کے بعد حضورؑ کے وصال تک مَیں ہر عید کے موقع پر قادیان جا کر وہاں نماز عید ادا کرتا رہا۔ ایک عید کے موقع پر حضورؑ نے فرمایا گاؤں والوں کو روحانی دعوت تو اکثر دی جاتی ہے اس دفعہ پہلے مادی دعوت کا اہتمام کیا جائے اور اس کے بعد روحانی پیغام پہنچایا جائے۔ حضورؑ نے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ اور حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہیؓ کو اس کام کے لئے مقرر فرمایا۔ مَیں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا حضور پچھلے دنوں مولوی صاحب (حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ) نے سورہ مائدہ کا درس دیا، انہوں نے وعظ اس طرح کہا جس طرح گندم سے میدہ نکالا جاتا ہے، ایسی گہری باتوں کو گاؤں والے اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے آپ اس کام کے لئے مولوی برہان الدین صاحب کو مقرر فرمائیں۔ مَیں نے کہنے کو تو یہ بات کہہ دی لیکن پسینہ پسینہ ہوگیا کیونکہ لوگوں کو حضورؑ کے خداداد رعب اور احترام کی وجہ سے اس طرح مخاطب کرنے کی بہت کم جرأت ہوتی تھی۔ حضورؑ نے میری بات بڑے تحمل سے سُنی اور فرمایا بہت اچھا۔ الغرض عید کے دن نماز ظہر کے بعد قادیان میں رہنے والے دوسرے لوگوں کی دعوت کی گئی۔ بعد ازاں جلسہ ہوا پہلے حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے اور پھر حضرت مولوی برہان الدین صاحبؓ نے تقریر کی۔ اُس وقت جلسہ میں حضورؑ بھی تشریف فرما تھے۔ اس موقع پر پچیس آدمیوں نے بیعت کی۔

ایک دفعہ ایک پادری نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا تم مسیح کا کوئی گناہ ثابت کر سکتے ہو۔ مَیں نے کہا نہیں۔ اس پر پادری نے کہا یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ مسیح کو اپنے کسی گناہ کی پاداش میں نہیں بلکہ ہمارے گناہوں کے سبب سے صلیب دی گئی۔ مَیں اپنی کم علمی کی وجہ سے خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد مَیں قادیان گیا جب حضورؑ سیر کیلئے باہر تشریف لائے تو مَیں نے حضورؑ سے پادری کی گفتگو کا ذکر کیا۔ حضورؑ نے فرمایا ہم عیسائیوں سے پوچھتے ہیں کہ ان کے عقیدے کے بموجب جس پر گناہ لادے گئے وہ توریت کی رُو سے ملعون ہوا یا نہیں۔ اُس کے اپنے گناہ نہ سہی تمہارے ہی سہی لیکن جب وہ صلیب پر مر گیا تو ملعون ثابت ہوگیا۔ ہم کہتے ہیں تم کو دھوکہ لگا ہے گناہ تمہارے تمہارے

پاس ہیں۔ مسیح خود بے گناہ تھا بھی تو صلیب پر مرنے سے بچا رہا۔ پھر فرمایا مسیح ناصریؑ کی بریت کے واسطے ہی میں بھیجا گیا ہوں۔ نیز میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اب تو بچے بھی یہ باتیں سمجھنے لگے ہیں۔

حضورؑ کرم دین والے مقدمہ سے واپس جا رہے تھے جب حضورؑ کی گاڑی لالہ موسیٰ کے اسٹیشن پر پہنچی تو میں حضورؑ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لئے پہلے سے اسٹیشن پر موجود تھا۔ حضورؑ نے سیکنڈ کلاس میں جگہ ریزرو کرائی ہوئی تھی۔ حضورؑ نے مجھے فرمایا کہ اس ڈبہ میں پانی نہیں ہے اس کا انتظام کریں۔ میں اس سلسلہ میں ریلوے کے منتظمین کے پاس جا رہا تھا کہ اسٹیشن ماسٹر نے جو انگریز تھا مجھے اپنے پاس بلوا لیا۔ اس نے میری بات سن کر کہا پانی کا انتظام تو ہم کرا دیتے ہیں لیکن ہم تو مرزا صاحب کے متعلق بعض باتیں پوچھنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ میری زبان اچھی طرح جانتے نہیں اس لئے میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی میں کسی انگریزی دان کو بلا لاتا ہوں۔ میں واپس حضورؑ کے پاس آیا اس وقت حضورؑ کھڑکی کے ساتھ کہنی کے سہارے بیٹھے تھے میں نے ساری بات حضورؑ کی خدمت میں عرض کر دی حضورؑ نے دریافت فرمایا گاڑی چلنے میں ابھی کچھ وقت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ گجرات سے ایک گاڑی اس طرف روانہ ہوئی ہے اس کے یہاں پہنچنے کے بعد یہ گاڑی چلے گی۔ اس پر حضورؑ نے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کو اسٹیشن ماسٹر کے پاس جانے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت مفتی صاحبؓ نے اس سے چند منٹ انگریزی میں باتیں کیں اور اس کے سوالوں کا جواب دیا۔ اس کے بعد مفتی صاحبؓ نے واپس آکر حضورؑ کو بتایا کہ وہ کیا پوچھتا تھا اور پھر گاڑی میں سوار ہو گئے۔

"یاد رکھو"

مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یاد رکھو سخت خطرہ کے دن ہیں اور بلا دروازہ پر ہے نیکی اختیار کرو اور نیک کام بجا لاؤ۔ خدا تعالیٰ بہت حلیم ہے لیکن اس کا غضب بھی کھا جانے والی آگ ہے۔ اور نیک کو خدا تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم"

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۶)

افریقہ میں عیسائیت کے پنپنے کے امکانات بہت کم ہیں

"ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ" کا اعتراف

(مبلغ سیرالیون مکرم مولوی غلام احمد صاحب ۔ فری ٹاؤن)

براعظم افریقہ کے مغربی حصہ میں آجکل عیسائیت اور اسلام کے درمیان زبردست کشمکش جاری ہے۔ دونوں اس وسیع و عریض علاقے کو اپنا اپنا حلقہ بگوش بنانے میں مصروف ہیں۔ اگرچہ عیسائی مشنوں کو اپنے بے پناہ مالی وسائل کی بناء پر جماعت احمدیہ کے انتہائی محدود وسائل کے بالمقابل بہت زیادہ سہولت اور آسانی حاصل ہے باایں ہمہ جماعتِ احمدیہ کی مجاہدانہ کوششوں اور خدا تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کے نتیجے میں وہاں اسلام زور شور سے پھیل رہا ہے اور عیسائیت ہر محاذ پر اسلام کے بالمقابل شکست کھا رہی ہے۔ آجکل وہاں عیسائیت کی ناکامی اور اسلام کی روز افزوں ترقی کا تذکرہ عیسائی پریس میں بکثرت آرہا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں "ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ" (World Christian Digest) میں ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ مضمون کا عنوان ہے "Islam's Progress in West Africa" یعنی "مغربی افریقہ میں اسلام کی ترقی"۔ مضمون نگار نے اس میں عیسائیت کی ناکامی اور اسلام اور روز افزوں ترقی اور اس سے پیدا شدہ صورتِ حال پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد اعتراف کیا ہے کہ افریقہ میں عیسائیت کے پنپنے کے امکانات بہت کم ہیں۔ ذیل میں اس مضمون کے بعض حصوں کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ مضمون نگار نے پہلے عیسائیوں کے غور و فکر کے لئے بعض سوالات پیش کئے ہیں اور پھر انہیں توجہ دلائی ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر ان سوالوں کا جواب معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہے:-

"عیسائی مشنریوں نے مغربی افریقہ کے وسیع و عریض ساحلی علاقہ میں اپنی جد و جہد کو جاری رکھا مگر سوال یہ ہے کہ کیا آج چرچ نے اس علاقے میں آگے بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے انکار کر دیا ہے؟ کیا نیز تر مشنری جد و جہد نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی اور کیا اس علاقے میں عیسائیت کو زندہ رکھنے کے لئے اس جد و جہد سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا؟ کیا اسلام کی روز افزوں ترقی اور اس سارے علاقے کو بہت جلد اپنی لپیٹ میں لے لینے کے اسلامی چیلنج کا ہمارے پاس

کوئی موثر اور موزوں جواب ہے؟ ——— یہ وہ سوالات ہیں جو پورے غور و فکر اور سوچ بچار کے محتاج ہیں اور ضروری ہے کہ حقائق کی روشنی میں ان کا جواب معلوم کیا جائے۔"

آگے چل کر مضمون نگار نے سیرالیون میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیرالیون میں جماعت احمدیہ کی مساعی کے نتیجے میں اسلام برابر ترقی کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"جس دن مجھے سیرالیون سے روانہ ہونا تھا عین اُسی روز وہاں اسلام کا پہلا میڈیکل مشنری وارد ہوا۔ اخبارات میں اس کی آمد کی خبروں کو جگہ دی گئی اور اس طرح ملک بھر میں اس کی آمد کا بہت چرچا ہوا۔ اس ملک میں اسلام کے پہلے میڈیکل مشنری کی آمد نتیجہ ہے اُس دُور رس پالیسی کا جو اسلام کو سربلند کرنے اور پھیلانے کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ نے اختیار کر رکھی ہے۔ جماعتِ احمدیہ ایک تبلیغی جماعت ہے اور اس کی کوششوں کے نتیجے میں وہاں اسلام ترقی کر رہا ہے۔۔۔۔۔"

آگے چل کر مضمون نگار نے سیرالیون میں عیسائیت کی موجودہ پوزیشن کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:۔

"سیرالیون ایک عجیب و غریب ملک ہے۔ اس میں اسلام اور عیسائیت کے علاوہ Paganism کے پیرو بھی پائے جاتے ہیں۔ اندرون ملک میں بسنے والے قبائل زیادہ تر مسلمان ہیں۔ کیمبرج کونسل کا اندازہ ہے کہ اس ملک میں عیسائی پانچ فیصد سے بھی کم ہیں۔ کیا آزاد سیرالیون بھی مغربی افریقہ کے دوسرے آزاد ملکوں کی طرح اسلام کی آغوش میں چلا جائے گا؟"

سیرالیون کے علاوہ مضمون میں گھانا، نائیجیریا اور فرانسیسی مغربی افریقہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور لکھا ہے کہ ان علاقوں میں اسلام عیسائیت کے بالمقابل دس گنا زیادہ ترقی کر رہا ہے۔ نیز اس کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے اسلام کی متعدد خوبیوں کا اعتراف کیا گیا ہے۔ چنانچہ مضمون نگار رقمطراز ہے:۔

"اسی طرح گھانا میں بھی جماعتِ احمدیہ سرگرمِ عمل ہے مگر سیرالیون میں اس کی کوششیں زیادہ نمایاں ہیں۔ گھانا کے شمالی علاقے کے لوگ مذہبی ہیں اس لئے وہاں تھوڑی سی کوشش بھی اسلام کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کا موجب ہو سکتی ہے۔ نائیجیریا میں اسلام کی طاقت زیادہ ہے اور وہاں اسلام بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ یوروبہ نسل کے لوگ جنہوں نے ایک صدی قبل عیسائیت کو خوش آمدید کہا تھا اب بڑی تیزی سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ صرف ابادان شہر میں ہی تقریباً چھ صد مساجد پائی جاتی ہیں۔۔۔۔۔ شمالی نائیجیریا میں

چرچ کی انتہائی کوشش کے باوجود اسلام کی طاقت ناقابلِ تسخیر دکھائی دیتی ہے۔
کہا جاتا ہے کہ فرنچ مغربی افریقہ، سیرالیون اور مغربی نائیجیریا میں اسلام عیسائیت کے مقابلے میں دس گنا زیادہ ترقی کر رہا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ہمہ گیر اجتماعیت کا حامی ہے اور افریقن لوگ اِس قسم کی اجتماعیت کے شدت سے دلدادہ ہیں۔ اسلامی تعلیم میں اخوّت کو ایک خاص مقام حاصل ہے، رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہیں۔ علاوہ ازیں اسلام تعددِ ازدواج کی بھی اجازت دیتا ہے لہذا لوگ اِس کو پسند کرتے ہیں اور بڑی آسانی سے اس کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

"اسلام کے نزدیک امیر و غریب اور ایک متمدن شہری اور بادیہ نشین میں کوئی فرق نہیں بحیثیت انسان سب ایک ہیں اور یکساں سلوک کے مستحق۔ برخلاف اِس کے عیسائیت اِن چیزوں کو پیش تو کرتی ہے لیکن عمل اُس کا اِن کے بالکل برعکس ہے۔ برطانوی دَورِ حکومت میں یہ باور کیا جاتا تھا کہ افریقہ آہستہ آہستہ عیسائیت کی آغوش میں آجائے گا مگر اب افریقن باشندے اپنے خیالات، اندازِ فکر اور اندازِ زیست کے لحاظ سے بالکل آزاد ہیں اب وہ جو مذہب چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اِن حالات میں افریقہ میں عیسائیت کے پنپنے کے امکانات بہت کم ہیں سوائے اِس کے کہ خود افریقہ کے باشندے اپنی ہمّت سے چرچ کو سنبھال لیں۔"

مضمون نگار نے آخر میں نتیجہ نکالتے ہوئے اِس امر کو تسلیم کیا ہے کہ مغرب کے عیسائی مشنری اب عیسائیت کو افریقہ میں نہیں پھیلا سکتے وہ اب اسے غالب کر دکھانے میں عاجز آچکے ہیں۔ وہاں عیسائیت کے سنبھلنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ افریقن باشندے خود اِس ذمّہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ افریقی باشندے ایسا کیوں کریں، وہ کیوں نہ اُس دینِ فطرت کو قبول کریں جو اخوّتِ انسانی کا علمبردار ہے، کالے اور گورے میں کوئی تفریق روا نہیں رکھتا جو توحید باری اور انسانی مساوات کا درس دیتا ہے اور جس میں دُنیا کی موجودہ مشکلات کا یقینی اور قطعی حل موجود ہے؟

یہ صورتِ حال جس پر "ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ" کے مضمون نگار نے روشنی ڈالی ہے اِس امر کی آئینہ دار ہے کہ افریقہ کے تاریک براعظم کا گوشہ گوشہ اب اسلام کے نور سے منوّر ہوا جاتا ہے اور افریقہ کے وہ کروڑوں کروڑ باشندے جو پہلے مختلف نوعیت کے شرک میں مبتلا چلے آرہے تھے اب توحیدِ خالق

پر نثار ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا جُوا اپنی گردنوں پر اٹھانے کے لئے تیار ہو رہے ہیں اور وہ وقت قریب ہے کہ جب افریقہ کو حقارت سے تاریک براعظم کہنے والے خود تاریکی اور گمنامی میں کھوئے جائیں گے اور اُس تاریک براعظم میں اسلام کا نور اِس شان سے چمکے گا کہ اُس کی چکا چوند سے مخالفینِ اسلام کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی واضح اور غیر مبہم پیشگوئیوں کے بموجب اِس عظیم الشان انقلاب کا رونما ہونا آپ کے برحق ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے۔ بالخصوص جبکہ اِس انقلاب کے لانے میں آپ کی قائم کردہ جماعت اور اس کے سرفروش مجاہدینِ اسلام کی انتھک اور جاں توڑ مساعی کا بہت دخل ہے اور خود مخالفینِ اسلام کے لئے اُن کے اِس محیّر العقول کارنامے کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے ۔

(بتوسط وکالتِ تبشیر)

مسیح پاکؑ کی دُعاؤں کے مستحق کون ہیں؟

مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"اگر کوئی تائیدِ دین کے لئے ایک لفظ نکال کر ہمیں دیدے تو ہمیں موتیوں اور اشرفیوں کی بھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص چاہے کہ ہم اُس سے پیار کریں اور ہماری دعائیں نیازمندی اور سوز سے اُس کے حق میں آسمان ہو جائیں وہ ہمیں اِس بات کا یقین دلا دے کہ وہ خادمِ دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم ہر ایک شے سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے پیار کرتے ہیں۔ بیوی ہو، بچے ہوں، دوست ہوں، سب سے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۰ء)

بچوں کا صفحہ

ورزش کے متعلق مسیح پاک کا ارشاد

سکول میں بچوں کو تعلیم کے ساتھ ورزش بھی کرائی جاتی ہے۔ بعض بچے ورزش کر کے بہت خوش ہوتے ہیں۔ انہیں بھاگنے دوڑنے اور جسم کو ایک خاص طریقے سے بار بار حرکت دینے میں بہت مزہ آتا ہے۔ لیکن بعض بچے اس کو چٹی سمجھتے ہیں اور خواہ مخواہ اس سے جی چراتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ اس سے جسم کسی قدر تھک جاتا ہے۔ انہیں اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے کیونکہ ورزش صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ اس سے ہاتھ پاؤں کھل جاتے ہیں۔ بدن میں چستی آجاتی ہے۔ بچے زیادہ محنت سے اور دل لگا کر پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

احمدی بچوں کے لئے تو ورزش اور بھی زیادہ ضروری ہے اس لئے کہ اُن کے آقا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے بچوں کے لئے بہت ضروری قرار دیا ہے۔ ہم آپ بچوں کو ورزش کے بارہ میں حضور کا ایک ارشاد سناتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:-

"مدارس میں سلسلہ تعلیم کے ساتھ یہ بھی لازمی رکھا گیا ہے کہ ایک خاص وقت تک تمام لڑکے ورزش بھی کیا کریں۔ اس ورزش اور قواعد سے جو بچوں کو سکھائی جاتی ہے۔ ...... یہ مدعا و منشاء تو ہو نہیں سکتا کہ ان کا وقت ضائع کیا جائے بلکہ اس کا اصل مدعا یہ ہوتا ہے کہ وہ اعضاء جو حرکت کو چاہتے ہیں اگر انہیں بالکل بے کار چھوڑ دیا جائے تو ان کی تمام طاقتیں اور نشو و نما زائل ہو جاتی ہے جسے ورزش کے ذریعہ سے پورا کیا جاتا ہے۔ ورزش کرنے سے گو بظاہر اعضاء کو تکلیف اور تکان ہوتی ہے لیکن آخر کار وہی ان کی پرورش اور صحت کا موجب ہو جاتی ہے۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۵ ، ۱۹۰۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ حضور نے ورزش کو بچوں کے لئے بہت ضروری قرار دیا ہے۔ اس لئے احمدی بچوں کو تو خاص طور پر ورزش میں بہت خوشی سے حصہ

لینا چاہیئے۔ اس طرح انہیں دوہرا فائدہ ہوگا۔ ایک تو صحت اچھی ہوگی دوسرے حضورؑ کے ارشاد کی تعمیل کا شرف بھی انہیں ملے گا۔ حضورؑ کے ارشاد کی تعمیل کرنا ایک بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ سو گویا ورزش کرنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ جسمانی فائدہ بھی اور روحانی فائدہ بھی۔

اللہ تعالےٰ سب بچوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ بہت خوشی اور شوق سے ورزش کیا کریں۔ آمین ÷

خدا سے پیار کرنے والے!

ہمارے آقا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں نور اور ہدایت ہے اس کو بار بار پڑھنے سے دل اور دماغ میں روشنی پیدا ہوتی ہے اور انسان خدا سے پیار کرنے لگ جاتا ہے۔ ہم حضورؑ کی ایک چھوٹی سی نظم یہاں درج کر رہے ہیں۔ بچوں کو چاہیئے کہ وہ نہ صرف اسے غور سے پڑھیں بلکہ زبانی یاد کرلیں اور پھر بار بار اسے دہراتے رہیں:-

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار　　جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب،　　کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اسے دے چکے مال و جاں بار بار　　ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اُس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اِس خاک سے

(درّ ثمین)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے اہم اعلانات

"انصار اللہ" کا ساتواں سالانہ اجتماع

مجلس انصار اللہ کا ساتواں سالانہ اجتماع انشاء اللہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۱ء کو بروز جمعہ ہفتہ اتوار ربوہ میں منعقد ہوگا۔ زعماء کرام اور زعماء اعلیٰ اصحاب سے گزارش ہے کہ اس امر کی ابھی سے کوشش شروع کر دیں کہ اس اجتماع میں زیادہ سے زیادہ انصار شرکت فرمائیں۔ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ اس اجتماع کی افادیت کے پیشِ نظر انصار کے علاوہ بہت سے خدام بھی اس میں شریک ہوتے ہیں۔ جب خدام کو بھی اس بابرکت اجتماع سے فائدہ اٹھانے کا احساس ہے تو انصار کا بدرجہ اولیٰ فرض ہے کہ وہ سب کے سب اپنے مرکزی اجتماع میں شریک ہوں اور اس کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔

نیز زعماء/زعماء اعلیٰ اصحاب سے یہ بھی گزارش ہے کہ مقامی مجلس عاملہ کی پاس کردہ تجاویز برائے شوریٰ انصار اللہ اور آئندہ تین سال کے لئے صدارت کے لئے مجوزہ اسماء سے از راہِ کرم مرکز کو جلد مطلع فرمائیں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ)

مجلس انصار اللہ کے زعیم/زعیم اعلیٰ بھی مقامی جماعت کی مجلس عاملہ کے رکن ہونگے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے (بحوالہ ریزولیوشن صدر انجمن احمدیہ ربوہ $\frac{۴۴۶۴}{۱-۷-۶۱}$) اعلان کیا جاتا ہے کہ آئندہ ہر مقام پر زعیم اعلیٰ مجلس انصار اللہ مقام بھی قائد خدام الاحمدیہ کی طرح مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کی مجلس عاملہ کا رکن ہوگا۔ اس سے قبل حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی منظوری سے (بحوالہ ریزولیوشن صدر انجمن احمدیہ ربوہ) اعلان کیا جا چکا ہے کہ حلقہ کی مجلس انصار اللہ کا زعیم بھی اس حلقہ کے صدر کی مجلس عاملہ کا رکن ہوگا۔

قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ

ایک مُبارک تحریک

ماہنامہ انصار اللہ کیلئے کم از کم دو خریدار مہیا فرمائیے!

ماہنامہ "انصار اللہ" ایک بلند پایہ تربیتی اور دینی رسالہ ہے جو محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی سرپرستی و نگرانی میں شائع ہوتا ہے۔ اس کے بیش بہا مضامین نفس کی تربیت کے لحاظ سے خدا تعالےٰ کے فضل سے بہت پسند کئے جاتے ہیں۔

یہ رسالہ اصل لاگت سے کم قیمت پر دیا جا رہا ہے جس سے غرض یہ ہے کہ احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کے خریدار بنیں اور اس سے مستفید ہوں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس کی اشاعت کے نیک کام میں حصہ لیتے ہوئے اپنی پہلی فرصت میں (انصار اور خدام) دوستوں میں سے کم از کم دو دو اصحاب کو ماہنامہ "انصار اللہ" کے خریدار بنائیں تاکہ اُن کی طرح اُن کے دوست بھی اس سے بہرہ ور ہو سکیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ سالانہ چندہ صرف پانچ روپے ہے ؎

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ)

اطلاع

ماہنامہ "انصار اللہ" کا تازہ شمارہ خریدار اصحاب کے علاوہ بعض اور احباب کی خدمت میں بھی بطور نمونہ بھجوایا جا رہا ہے۔ اُن سے گزارش ہے کہ از راہِ کرم ماہنامہ کی خریداری قبول فرماتے ہوئے اس کا سالانہ چندہ مبلغ پانچ روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء ؎

(مینیجر ماہنامہ "انصار اللہ"۔ ربوہ)

احباب جماعت کے لئے مسیح پاک کی للّٰہی دلسوزی و غمخواری

حضرت مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"ہمارے دوستوں کا تعلق ہمارے ساتھ اعضاء کی طرح سے ہے اور یہ بات ہمارے روز مرہ کے تجربہ میں آتی ہے کہ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے عضو مثلاً انگلی میں ہی درد ہو تو سارا جسم بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ٹھیک اسی طرح ہر وقت اور ہر آن میں اسی خیال اور فکر میں رہتا ہوں کہ میرے دوست ہر قسم کے آرام اور آسائش سے رہیں ۔ یہ ہمدردی کسی تکلف اور بناوٹ کی رو سے نہیں بلکہ جس طرح والدہ اپنے بچوں میں سے ہر ایک کے آرام اور آسائش کے فکر میں مستغرق رہتی ہے خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں اسی طرح میں للّٰہی دلسوزی اور غمخواری اپنے دل میں اپنے دوستوں کے لئے پاتا ہوں اور یہ ہمدردی کچھ ایسی اضطراری حالت پر واقع ہوئی ہے کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کسی کا خط کسی قسم کی تکلیف یا بیماری کے حالات پر مشتمل پہنچتا ہے تو طبیعت میں ایک بے کلی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور ایک غم شامل حال ہو جاتا ہے اور جوں جوں احباب کی کثرت ہوتی جاتی ہے اسی قدر یہ غم بڑھتا جاتا ہے اور کوئی وقت ایسا خالی نہیں رہتا جبکہ کسی قسم کا فکر اور غم شامل حال نہ ہو۔ . . . میں نہیں بتلا سکتا کہ کسقدر اوقات غموں میں گزرتے ہیں ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو ایسے ہموم اور افکار سے نجات دیوے اس لئے میں ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہتا ہوں اور سب سے مقدم یہی دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے دوستوں کو ہموم اور غموم سے محفوظ رکھے "

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۸۹۷)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں طبع ہؤا ۔